طور جلنے لگا

ناز کفیل گیلانی

حرفِ اوّل

قارئین کرام!

حسبِ دستور "بہک گئے فرشتے" کے بعد جسے آپ نے بہت پسند کیا اور مجھے قیمتی آرا سے بھی نوازا ..... اس سے پہلے میں دس عدد ناول معاشرتی، رومانی، میرے پبلشر "مکتبہ القریش لاہور" کی وساطت سے پیش کر چکی ہوں۔ جن کو بڑی چاہت و محبت سے آپ نے پڑھا اور سراہا۔

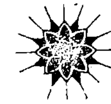
آپ کے بہت خطوط مجھے ملے۔ جن میں پسندیدگی کا اظہار اور آئندہ لکھنے کا اصرار کیا گیا۔ اس محبت کے ناطے میں نے قارئین کی خدمت میں "طور جلنے لگا" تحریر کیا۔ جس کو فرضی کہانی سمجھنا خیالِ خام ہے۔ ہماری اپنی کہانی..... ہمارے معاشرے کے خود ساختہ فیصلوں کی کہانی جنہیں ہم نے خود اپنا حصار بنا لیا ہے اور اب اس سے باہر نکلنا ہمارے بس میں نہیں رہا ہے۔ دولت کی خواہش ہمارے جسموں میں خون کی طرح گردش کرنے لگتی ہے۔ اس کی چاہت میں ہم اپنی لاکھوں بہو بیٹیوں کے آنچل جلا

بیٹھتے ہیں ..... ہاتھ آتی ہے صرف رسوائی اور دامن کی سیاہی ..
کاش ..... ہم اس بھنور سے نکل سکیں اور قدرت کی عطا زندگی آسودہ ہو جائے ۔

ہم کیوں نہیں سوچتے کہ نیکی ایک خدائی مشن ہے ۔ اسے ہمیں جاری رکھنا ہے اور دولت کو اپنی منزل نہ بنائیں۔

شکریہ
نازکفیل گیلانی

ساہیوال
۲۹ راپریل ۱۹۸۸ء



انتساب

اپنی بیٹی وہاج افضل گیلانی

کے نام

جس کے وجود نے مجھے کائنات کے سنگ ریزوں پر بکھرنے سے بچا لیا ..... اور میرا منتشر شیرازۂ ہستی پھر سمٹ گیا ..... اور اس کی معصوم مسکراہٹ میری رگوں میں قطرہ قطرہ زندگی کی لہر دوڑاتی گئی ۔

نازکفیل گیلانی



وحشتوں کی بھیڑ میں کچلے گئے ہیں ذہن یوں
لے اُڑی دیوانگی انسان کا معیار بھی





ٹھک..... ٹھک..... ٹھک

مسلسل کوئی دروازے پر بے ہنگم سی آواز میں دستک دیے جا رہا تھا۔ لیکن وہ چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں تھاپتی رہی اور ٹس سے مس نہ ہوئی اور جب کیواڑ ٹوٹنے پر آ گیا تو سامنے کمرے سے زبیدہ بیگم کی آواز آئی اے ہے..... ستارہ بیٹی..... کون ہے..... سنو تو ———

وہ ہی ہے کرایے والا...... صبح سے تین مرتبہ آ چکا ہے....

اُس نے دوسری جانب ہنڈیا میں ڈوئی ہلائی اور بڑی بے نیازی سے روٹی توے پر ڈال دی۔

تو بیٹی کہہ دو نا..... دے دیں گے کرایہ..... کہیں بھاگے

تو نہیں جا رہے۔

زبیدہ بیگم صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

کس کس کو جواب دوں ...... کوئی ایک کا اُدھار ہے تو تب نا ...... نہ جانے ...... پھر دروازہ زور سے بجنے لگا .....

زبیدہ بیگم سہم کر بیٹھی رہیں ...... اور وہ بل کھاتی ہوئی اُٹھی

نہ جانے کن کُفّروں سے پالا پڑ گیا میرا ...... سدا کے قرض دار ——— وہ بڑبڑاتی ہوئی دروازے کے پاس پہنچی۔

کیا ہے ......

وہ بڑی ترش روئی سے چلّا کر بولی ...... پھر فوراً ٹھٹک گئی

...... باہر ایک نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا ......

میرا نام رحیم ہے ...... اور مجھے ابا نے پیسوں کے لیے بھیجا ہے۔ تین چار ماہ ہو گئے ہیں راشن ہماری دکان سے ہی آ رہا ہے۔

اچھا ...... آئندہ سے راشن بند ...... اور پیسے جب ہوں گے دے دیں گے ......

دروازہ بند کر کے پلٹ آئی ......

رحیم نے چونک کر دیکھا ...... ایسا حسین چہرہ کم ہی دیکھنے میں آیا ہے۔

ستارہ فوراً دروازے کی اوٹ میں ہو گئی ...... دُوسری بار

دیکھنے سے احساس ہوا کہ وہ بڑی دلچسپی سے اُس کو گھور رہا تھا۔

ستارہ نے دروازہ زور سے بند کیا اور پلٹ آئی۔

کون تھا بیٹی۔

راشن والا تھا ...... نہ جانے کس کس کا اُدھار دینا ہے آپ لوگوں نے۔ وہ جیسے تیر برسا رہی ہے۔

اور زبیدہ بیگم ندامت بھرے انداز میں واپس اپنے کمرے میں چل دیں۔ بہو کی طبیعت تیز تھی ...... اُس کی بات کو جھٹلانا گویا ہاتھ انگاروں میں ڈالنا تھا۔ وہ ہنڈیا کو چولہے سے اُتار کر لوہے کے سٹینڈ پر رکھ کر وہ جلدی جلدی روٹیاں پکانے میں مصروف رہی۔

دُھوپ دیواروں سے اُتر کر اُس کے قریب آ رہی تھی ......

چند لمحوں میں اُس کے سَر تک پہنچ جائے گی۔

ارے بیٹی چولہا چھاؤں میں کر لو ......

زبیدہ بیگم بولیں۔

چھاؤں میں آگ کے شعلے برف برسائیں گے ...... جلنا ہی ہے ...... یہاں کیا اور وہاں کیا۔

طنز کا جلتا ہوا تیر پھر زبیدہ بیگم کا سینہ چاک کر گیا اور وہ جلی بھنی پھر روٹیاں پکانے میں مصروف رہی۔ وہ جل رہی تھی اُس آگ میں جو دھوکے سے اُس نے خود لگائی تھی۔ وہ اور نگ

زیب کی ظاہری شان و شوکت پر مر مٹی تھی وہ اس سوکھی مکڑی کی طرح جل رہی تھی کیا اس کے نصیب میں یہی گھر لکھا تھا۔ کیا کمی تھی مجھ میں ..... تعلیم یافتہ بھی ہوں خوبصورت بھی ہوں اور قسمت پھوٹی اس بیکار سے ...... جسے آج تک کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں ملی۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے اس نے .... وہ سوچوں کے انتھا سمندروں میں ڈوبتی چلی گئی۔ چند سال پہلے ماضی ایک فلم کی مانند اُس کی آنکھوں میں گھومنے لگا۔

کس طرح اورنگ زیب ورکشاپ میں معمولی ملازم تھا ...... اُس کو رام کرنے کے لیے جھوٹ موٹ کا رئیس بن گیا تھا ..... شادی کے بعد بھید کھُلا کہ وہ تو کاروں کی مرمت جہاں ہوتی ہے۔ وہاں پچاس روپے روزانہ پر کاری گر ہے۔ اب کیا تھا ....

اور وہ ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی تھی۔

زیب بٹیا ..... او بیٹے .... چائے تو پی لو۔

ماں چائے کا کپ لیے پیچھے پیچھے اُسے تلاش کر رہی تھی ... اور اپنے کمرے میں سیاہ سوٹ میں ملبوس ٹائی کی ناٹ درست کر رہا تھا۔

امّی .... میں یہاں ہوں ————

ماں کی پکار پر اورنگ زیب نے آواز دی۔

ارے تم یہ ورکشاپ جا رہے ہو ......

ماں اُس کی تیاری دیکھ کر ہنسی ...... لیکن انداز میں حیرت بھی تھی۔

ہاں تو امّی ....

وہ کوٹ پہن کر ماں کے ہاتھ سے کپ پکڑتے بولا۔

ارے بٹیا .... وہاں اس لباس سے کام کرتے ہو۔

ماں کی حیرت عروج پر تھی۔

ارے نہیں امّی .... آپ نہیں سمجھیں گی .... یہ لباس تو ورکشاپ کے اندر جا کر اُتار دیتا ہوں ......

خالی کپ اُس نے واپس ماں کے ہاتھوں پر رکھا اور ہونٹوں کو گول کر کے سیٹی بجاتا گھر سے نکل گیا گلی کے نکڑ پر جا چارا جو کے گیراج سے سیاہ گاڑی نکال ورکشاپ کی جانب چل دیا۔

اچانک وہ ٹھٹکا ...... اُس کے مقابل سیاہ مرسڈیز آکر رُکی

...... ہیلو ...... اورنگ زیب .... کیسے ہو ...... کبھی تُم سے ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ ہیلو .... شاہانہ .... تُم کیسی ہو ... یونیورسٹی کے بعد تو ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

لیکن اورنگ زیب کی نظریں شاہانہ کے ساتھ بیٹھی کومل سی لڑکی پر اٹک گئیں۔ ستارہ کچھ کانپ سی گئی ..... اورنگ زیب کی نظریں اُس کے وجود کو پگھلا رہی تھیں۔

اچھا ..... اچھا .... یہ ستارہ ہے ..... حال ہی میں اس

کے والدین لندن سے پاکستان مقیم ہوئے ہیں۔

آداب ......

اورنگ زیب کی نظریں ستارہ کے چہرے پر جم گئیں ......

وہ حسن وجمال میں نمبر ایک تھی۔

اُس کی بڑی آنکھیں اُٹھتی جھکتی لرزتی پلکوں کے ساتھ بھرا رہی تھیں۔

آداب .....

ستارہ نے حجاب آگیں انداز میں جواب دیا ..... اور چہرے کو دوسری جانب موڑ لیا۔

کیا کرتے ہو آج کل

شاہانہ نے اورنگ زیب کی پوزیشن سے کسی رئیس زادے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ وہ یوں بھی اِس وقت کسی نواب کے بچے سے کم نظر نہیں آرہا تھا۔

کرنا کیا ہے .... باپ کی دولت پر عیش ..... وہ اپنی کم مائیگی کا احساس دوسروں کو دلانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اورنگ زیب نے پھر ستارہ کو گھورا۔

ہوں ...... ٹھیک ہے ...... تم جیسے بگڑے رئیس کر بھی کیا سکتے ہیں۔

وہ راستہ ملنے پر گاڑی آگے بھگا لے گئی ...... اور وہ ستارہ

کا نقش پا دیکھتا رہ گیا۔

لیکن وہ بھی جلدی چھوڑنے والا نہ تھا ستارہ کی موہنی صورت اُس کے دل میں گھر کر چکی تھی جوں ہی اُس کو گاڑیوں کے ہجوم میں راستہ ملا ...... وہ شاہانہ کی گاڑی کے تعاقب میں چل دیا کچھ فاصلے پر سے شاہانہ اور ستارہ طارق روڈ پر نظر آئیں .... وہ ایک جنرل سٹور کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں اورنگ زیب نے ایک جگہ گاڑی لو روکا .... اور اُن کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگا۔

چند لمحوں کے بعد دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں اور اورنگ زیب نے گاڑی اُن کے تعاقب میں چھوڑ دی۔

ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد شاہانہ نے ستارہ کو ایک ظیم الشان کوٹھی کے گیٹ پر اُتارہ اور خود گاڑی آگے لے گئی۔

وہ ستارہ سے بہت جلد مل جل جانا چاہتا تھا۔ وہ پوری طرح س کے حو اس پر چھا چکی تھی۔

تقریباً دن کے گیارہ بجے وہ ورکشاپ پہنچا اُسے دیکھتے ہی لک کے کان کھڑے ہو گئے۔

اُوے ...... یہ وقت ہے تیرے آنے کا ...... بابا ، دکان سمجھ رکھی ہے تو نے ...... مالک بولتا رہا اور وہ ڑے اُتار گاڑی کے نیچے گھس گیا۔

میرا خیال ہے تمہیں روزی کی ضرورت نہیں ہے۔

اُس کے قریب ہی کھڑے سلیم نے کہا
کپڑا پکڑا ....
سلیم کی بات کو سنی ان سنی کر کے اُس نے پُرزے صاف کرنے کے لیے کپڑا مانگا۔
سلیم نے جُھک کر اُسے کپڑا دیا.......
میری بات کا جواب نہیں دیا تو نے۔
کیا
وہ پرزہ صاف کرتے کیا کو نمیا کرتے بولا۔
یہی کہ وقت پر آیا کرو .... اُستاد کوئی اور مکینک رکھ لے گا۔
سلیم نے اُسے آنے والے خطرے سے خبردار کیا۔
رکھ لے .... میں خود اِس کام سے تنگ آ گیا ہوں۔
اورنگ زیب باہر آ کر بولا۔
کام چھوڑ دے گا تو پیٹ کیسے بھرے گا۔
سلیم نے کہا۔
تمہیں کیوں پیٹ میں درد ہے .... میں نوکری کروں نہ کروں.......
اورنگ زیب نے جھلّا کر جواب دیا۔
میں تمہارا دوست غمگسار ہوں ...... مجھے تیرا خیال نہ ہو گا

اور کسے ہو گا۔
سلیم نے اورنگ زیب کے کاندھے پر زور سے ہاتھ مارا۔
اچھا .... چلو چائے پییں۔
وہ باہر نکلا
اورنگ زیب سلیم کو پکڑے قریب کینٹین پر لے گیا۔
صبح و شام ستارہ کی یاد نے اُس کے من میں ہلچل سی مچا دی تھی
اُس دن کے بعد اورنگ زیب نے بہت کوشش کی کہ ستارہ سے ملاقات ہو سکے .... لیکن تلاش کے باوجود وہ ناکام رہا ایک دن کی ملاقات سے اُس کے سکون کا گھروندہ بے سکون ہو گیا.... زندگی کے بحرِ بیکراں میں طوفان سا آتا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ یوں محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کا جیون بغیر مقصد ہے وہ اپنی ہستی کی تکمیل سوائے ستارہ کے مکمل نہیں پا رہا تھا۔
کئی دن یونہی بیت گئے
وہ اُداس
اکھڑا اکھڑا اور
مضطرب سا حسبِ معمول کام پر جاتا۔ ستارہ نے اُس کی ہوش بُھلا دی تھی
جب بے قراریاں کرب کی صورت اختیار کر گئیں تو وقت سے پہلے ہی گاڑی میں سوار شاہانہ کے ہاں چل دیا۔ شاہانہ انتہائی دولت مند

والدین کی بیٹی تھی...... اور اورنگ زیب کی کلاس فیلو...... دونوں نے ایک ساتھ ہی ایم اے کیا تھا...... گو اِس کے بعد اورنگ زیب نے اپنی تعلیم کو اور فروغ دے کر ایم اے شمارت اور مزید کئی ڈگریاں حاصل کر لیں! شوخیٔ تقدیر وہ اس قدر تعلیم حاصل کرنے کے باوجود کوئی اچھی اعلیٰ حیثیت کی ملازمت نہ تلاش کر سکا ماں کے حکم کی تعمیل میں اُس نے مکینک بننا زیادہ بہتر سمجھا چلو بٹیا پیٹ خالی رہنے سے تو بہتر ہے۔ یہ اُس کی ماں کے الفاظ تھے...... واقعی جس دِن سے اُس نے ورکشاپ میں ملازمت اختیار کی تھی اُس کی روٹی کا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔

پورچ میں گاڑی روک کر اُس نے کال بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

ہاتھ اُٹھاتے ہی ایک ملازمہ باہر آئی۔

کیا بات ہے باؤجی...... کس سے ملنا ہے......

شاہانہ ہے گھر میں......

وہ بغور دیکھ کر بولا...... ملازمہ خاصی چالاک ہوشیار نظر آ رہی تھی۔

کہتی ہوں جاکر......

وہ پلٹ گئی......

وہ بیرونی برآمدے میں چکر لگاتا رہا......

کہ ایک دم وہ ٹھٹھکا......

آہا...... زہے نصیب...... جناب اورنگ زیب صاحب......

شاہانہ بڑی خوش اخلاقی سے خوش آمدید کہتے ہوئے بولی۔

وہ ہنس دیا۔

آؤ......

وہ دوسری جانب سے ڈرائنگ روم میں لے جاتے بولی۔

خوبصورت ڈرائنگ روم میں آرائشی سامان دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا۔

بیٹھو...... میں چائے کے لیے کہہ آؤں......

ارے نہیں چائے کی ضرورت نہیں...... میں تو ایک کام سے آیا تھا۔

وہ ایک ہاتھ سے شاہانہ کو روکتے ہوئے بولا۔

کام...... مجھ سے......

وہ تذبذب کے عالم میں سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔

میں ستارہ کے بارے میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔

وہ زبان دبا کر کہہ گیا۔

کیا مطلب؟

وہ حیرت زدہ سی چونک گئی۔

مجھے اُس کے بارے میں معلومات چاہیئے۔

اورنگ زیب مسکرا کر بولا۔

ارے بھئی وہ میری خالہ زاد ہے...... اور بہت اچھی ہے
بی اے تک تعلیم ہے اُس کی والدین دولت مند اور شریف ہیں...

شاہانہ نے ہنس ہنس کر ستارہ کا پورا جغرافیہ بیان کر دیا۔

بس...... بہت شکریہ......

وہ اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

ارے بیٹھونا....... چائے کے بغیر نہیں جانے دوں گی

وہ پردا اٹھا کر باہر نکل گئی.......

کہ

اچانک اُس کی سماعت سے جانی پہچانی مدھر سی آواز ٹکرائی۔

شاہانہ.......

او....... آپ....... یہاں......

وہ خلافِ توقع اورنگ زیب کو دیکھ کر بُری طرح ٹھٹھکی۔

کیوں جی...... میرے آنے پر ممانعت ہے یہاں۔

اورنگ زیب اچانک گوہر مقصود کو دیکھ کر جھوم اُٹھا۔

نہیں تو.......

وہ سامنے صوفے میں دھنس گئی۔

دیکھا...... دل کو دل سے راہ ہوتی ہے....... آ گئی
ستارہ...... شاہانہ اندر داخل ہوتے بولی۔

چند ہی لمحوں کے بعد ملازم ٹرالی بمعہ لوازمات کے لے آیا۔

تم کیسے آئیں۔

شاہانہ ٹرالی کو درمیان میں گھسیٹ کر بولی۔

بس ایسے ہی.........

ستارہ نے سیاہ آوارہ لٹ کو رخسار سے ہٹایا۔ یوں لگا جیسے
اُس کے عارضوں پر شفق پھوٹ گئی ہو۔

اورنگ زیب صاحب تم سے ملنا چاہتے تھے۔

شاہانہ نے دونوں کے سامنے ایک ایک کپ چائے رکھا۔

ستارہ خاموش ہو گئی...... وہ اورنگ زیب کی نظروں میں عجیب
قسم کی کیفیت کا اندازہ لگا رہی تھی........ جو عام حالات میں نہ ہو سکتی
تھی۔

اچھا...... زیب...... تم باتیں کرو....... میں ذرا باورچی
کو کھانے کے لیے کچھ بتا آؤں۔

دراصل وہ اورنگ زیب کو ستارہ سے بات کرنے کا موقعہ
دینا چاہتی تھی۔

شاہانہ.........

ستارہ نے اُسے روکا...... لیکن وہ جا چکی تھی۔

شاہانہ سمجھدار لڑکی ہے۔

اورنگ زیب نے کہا۔

اور ستارہ نے نظریں جھکا لیں۔

چند لمحوں کے بعد ستارہ اُٹھی

کہاں ؟

اورنگ زیب نے کہا۔

اجازت دیجیے ۔۔۔۔۔۔ میں بہت دیر سے یہاں بیٹھی ہوں۔

ستارہ نے خوامخواہ ہی بات بنانا چاہی

آپ سے پہلے میں یہاں تھا۔

وہ بھی ستارہ کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔

دونوں ایک ساتھ چلتے چلتے باہر آئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اُس دن اور گاڑی تھی آپ کی۔ مرسڈیز کا خوبصورت ماڈل اُسے یاد تھا۔

ستارہ آج کی گاڑی دیکھ کر حیران رہ گئی۔

جی ہاں ۔۔۔۔۔۔ وہ میری امی کی تھی ۔۔۔۔۔۔۔ اور یہ میرے پاپا کی۔

وہ محبت سے مجبور اپنی اصلیت چھپانے پر مجبور ہو گیا تھا۔۔ ہو سکتا تھا وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتا اور ستارہ کی توجہ کم ہوتی۔۔۔۔۔۔ ویسے بھی اِس دنیا میں محبت کے ساتھ دولت کا ساتھ لازمی ہے غریب سے تو کوئی محبت بھی نہیں کرتا ۔۔۔۔۔۔۔ دو ٹکے کی اوقات کہہ کر لوگ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔

او ویری گڈ ۔۔۔۔۔۔ اس کا مطلب کہ ہر فرد کی اپنی اپنی گاڑی

وہ خوش ہو کر بولی۔

جی ۔۔۔۔۔۔۔ بس ایسا ہی سمجھ لیجئے ۔۔۔۔۔ وہ کھسیانا سا ہنس دیا۔

دونوں ایک ساتھ چلتے گاڑی کے قریب آ گئے۔

بیٹھئے ۔۔۔۔۔۔۔ ڈراپ کر دوں گا آپ کو ______

وہ ستارہ کو دروازہ کھول کر بیٹھنے کا اشارہ کرتے بولا۔

جی ۔۔۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔

وہ ازراہِ اخلاق بولی ۔۔۔۔۔۔۔ ویسے اورنگ زیب کی پیش کش ٹھکرانے کا اُس میں بھی حوصلہ نہ تھا۔ دولت کے ساتھ ساتھ وہ وجیہ شکیل بھی تھا۔

ارے بیٹھئے تو سہی

بلا تکلف اورنگ زیب نے ستارہ کو دونوں شانوں سے تھام کر گاڑی کے اندر بٹھا دیا وہ کسمسا کر رہ گئی ۔۔۔۔۔۔۔ توانا نوجوان کے صحت مند ہاتھوں کا لمس اُس کی رگ و پے کو جھنجھوڑ کر رکھ گیا ۔۔۔۔۔۔ سر تا پا لرز گئی ۔۔۔۔۔۔ دل کے کسی نہاں خانے میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں اور وہ رُوح تک سرشار ہو گئی۔

یہ تھرتھراہٹ
یہ کپکپاہٹ

کیا تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ ایک لمحے میں آسمانوں تک پہنچ گئی ۔۔۔۔۔۔ وہ

تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ اِس قدر دولت مند نوجوان اُس سے محبّت کرے گا۔

گاڑی کے زوردار جھٹکے سے وہ بے ساختہ اورنگ زیب کے شانے سے ٹکرا گئی۔

ستارہ ....

اورنگ زیب نے آہستہ سے کہا۔

جی .... وہ یوں گویا ہوئی ...... جیسے آسمان کی بلندی پر سیر کر رہی ہو یا پھولوں سے بھری وادی سے۔

کیا سوچ رہی ہو۔

وہ بہت جلد ستارہ سے بے تکلف ہونا چاہتا تھا۔

کچھ بھی نہیں ......

وہ سپاٹ سے لہجے میں بولی۔ لیکن تبسم انداز کے ساتھ

اور گاڑی ایک بہت بڑے خیابان ہوٹل کے سامنے رُکی۔

اورنگ زیب نے دوسری طرف سے ہو کر دروازہ کھولا۔

دونوں چلتے چلتے ہوٹل کے اندر ایک جگہ بیٹھ گئے۔

آکسٹرا کی مدھم دھن آنے والوں کی دلچسپی کا باعث تھی.....

لیکن دو دل جب ملتے ہیں تو اُن کو کسی آکسٹرا کی ضرورت نہیں ہوتی ..... وہ محبّت کرتے ہیں اور سدا کرتے ہی رہتے ہیں۔

کیا ہو گی ...... اورنگ زیب کا انداز والہانہ تھا۔

جو تمہاری مرضی .... ستارہ کا دل دھڑکا

ستارہ نے بے ساختہ کہا .... اور بعد میں وہ شدید ندامت انگیز لہجے میں خاموش رہ گئی۔

کافی لے آؤ

اورنگ زیب نے مسکرا کر بیرے کو کہا

بہت دیر ہو چکی تھی ....

ایک دم ستارہ چونک گئی۔

کیا بات ہے۔

بہت دیر ہو چکی ہے ...... پاپا ناراض ہوں گے۔

کوئی بات نہیں راستے میں ڈراپ کر دوں گا۔

اچھا ......

کسی مروت کے ناطے ستارہ خاموش رہی...... نہ جانے اورنگ زیب کی قربت میں کیسا نشہ تھا کہ دِل اُس کا بھی اُٹھنے کو نہ چاہ رہا تھا۔

کچھ وقت اور گزر گیا۔

اب شام کے دھندلکے چھانے لگے تھے ..... وہ آج تک گھر سے باہر کبھی اتنا وقت نہیں رہی تھی ...... گو اُس کا خاندان بڑے ایڈوانس طبقے میں قدم رکھتا تھا۔ ستارہ کی ماں اپنی بیٹی کو ماڈرن اور ماڈرن گھر کی بہو دیکھنا چاہتی تھی ...... یہ لوگ انسان دوست کم اور دولت پرست زیادہ تھے ...... انسانوں سے زیادہ اِن کو جیولری

آرائش اور دنیاوی عیش وعشرت سے لگاوٹ تھی۔ وہ بیٹی کے لیے بھی
ایسے دولت مند نوجوان کا رشتہ تلاش کرنا چاہتی تھی جو دولت میں کھیلتا
ہو...... بلکہ روپیہ پیسہ اُس کے گھر کی لونڈی ہو اور آج
جب ستارہ نے دیکھا کہ اورنگ زیب ایک حسین وجمیل نوجوان ہونے
کے برعکس بے انتہا دولت مند بھی ہے تو اُس کے دل کی کلی
کھل اُٹھی......

اُسے نہیں معلوم تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ ایک نہیں کئی کار
کا مالک نظر آئے گا۔ چہرے بُشرے سے انتہائی مہذب اور شریف
بھی...... دلنشیں اندازِ سخن...... اُس کی رُوح تک میں
سرایت ہو جائیگا۔

کوٹھی کے باہر اورنگ زیب کی گاڑی سے اُتر کر وہ سیدھی اپنے
کمرے کا زینہ چڑھ گئی۔

ستارہ بیٹی......

جی امی.........

ماں کی آواز پر وہ پلٹ گئی۔

بیٹی آج کالج سے اتنی دیر لگا دی۔

کوثر جہاں نے حیرت سے پوچھا۔

شاہانہ کے چلی گئی تھی...... بس وہیں دیر ہو گئی۔

وہ ماں کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی......اور اپنے تراشیدہ

بالوں کو پیشانی سے ہٹانے لگی..... وہ ویسے بھی ابھی ماں کو کچھ نہیں
بتانا چاہتی تھی۔

دونوں طرف آگ برابر تھی....... تمام شب دونوں نے کروٹیں
لے کر گزار دی۔ کون جانے کس کے جذبات میں شدت تھی اور سچائی
کا پیکر کون تھا۔





او سلیم ....

اُستاد نے آج پھر اورنگ زیب کو لیٹ آتے دیکھ کر سلیم کو آواز دی ۔

آیا اُستاد ؟

سلیم پرزہ صاف کرتا اُستاد کے پاس پہنچ گیا ۔

تو نے دیکھا ...... کیا ٹائم ہے ۔

اُستاد کی گھن گھرج آواز دور گاڑی کا انجن کھولتے اورنگ زیب نے بھی سُن لی تھی ۔

دس بج گئے ہیں اُستاد

سلیم نے کلائی کی گھڑی دیکھی ۔

تیرا دوست آج پھر لیٹ آیا ہے ...... اوُے تو اُسے منع کیوں نہیں کرتا ....

اُستاد نے سلیم کو تڑی دکھائی ۔

تو اُستاد اس میں میرا کیا قصور ہے ...... ویسے اُس کی ماں بیمار ہے بیچاری ۔

سلیم نے جان چھڑانا چاہی

اچھا ...... آج ماں کی خاطر چھوڑ دیتا ہوں ...... قسم اللہ کی بڑے کاری گر ملتے ہیں مجھے ...... اُستاد بپھرا ہوا لگ رہا تھا ۔

اُستاد ...... یہ نہ کہو ..... غریب آدمی ہے .... کیا کرے گا .....

سلیم نے اُستاد کو چُپ کروانا چاہا ...... وہ جانتا تھا کہ اگر یہ بات اورنگ زیب نے سُن لی تو نوکری چھوڑ کر چلا جائے گا اُس میں بھی انا اور غربت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔

اچھا جا کام کر ....

اُستاد نے سلیم کو کہا اور خود دُوسری جانب چل دیا ۔

کیا بک رہا تھا بڈھا

اورنگ زیب نے سلیم کو آتے دیکھ کر کہا ۔

ارے یار کیا کہنا ہے ..... تم کونسا اُس کا حکم مانتے ہو آخر اُستاد ہے ہمارا ۔

آج تو میں ٹائم پر ہی نکلا تھا ...... ایسے ہی لیٹ ہو گیا ۔

حسین تصورات میں وہ کھو گیا ۔

ارے یار..... حسینوں کے چکر میں نہ پھنسو .... یہ کسی کے نہیں بنتے ....

سلیم نے قیاس آرائی کی۔

کیا مطلب؟

اورنگ زیب چونکا......

ارے بھئی مطلب صاف ظاہر ہے کہ اگر کہیں آنکھ لڑ چکی ہے۔ تو اِس کھیل سے توبہ کر لو...... اس کھیل میں جیت کا مہرہ نہیں ہے۔

ہوں.......

اورنگ زیب نے ہوں کو لمبا کر کے گاڑی کا انجن کھول دیا۔ اور سلیم بھی کام میں لگ گیا۔

دن یونہی گزرتے گئے...... دِنوں کے ساتھ ساتھ اورنگ زیب کی محبت بھی مستحکم ہوتی گئی ...... لیکن ابھی تک ستارہ کی طرف سے کوئی اظہار خیال ظاہر نہ ہوا تھا۔

اُستاد.........

وہ چھٹی کی غرض سے پھر اُستاد کے پاس پہنچ گیا۔

کیا ہے.......

اُستاد دو چھوٹے لڑکوں سے ٹانگیں دلوا رہا تھا۔

چھٹی لینی ہے اُستاد

وہ اُستاد کے پاس بیٹھ کر اُس کا گھٹنا دباتے بولا۔

ہیں ...... چھٹی .... اس وقت .... آج تو آدھا ن بھی نہیں لگا تیرا اُستاد نے حسبِ عادت دل توڑ سخت جواب دیا۔

میں کل آج کی کمی پوری کر لوں گا۔

اورنگ زیب نے کہا۔

سچ کہتا ہے......

اُستاد نہ جانے کیوں نرم ہو رہا تھا۔ وہ اگر شاگردوں پر رحم نہ کھائے ورکشاپ اس قدر ترقی نہ کرے۔

ہاں اُستاد میں سچ کہتا ہوں......

وہ گاڑی ٹھیک ہو گئی....

اُستاد نے چونک کر کہا۔

ہاں اُستاد وہ تو کر لی......... وہ خوش ہو کر بولا۔

اچھا ...... شاباش جا پھر.......

اُستاد نے پیٹھ ٹھونکی

اُستاد ایک بات ہے۔

وہ پھر فرمائشی انداز میں کھڑا تھا۔

اب کیا بات ہے.... گاڑی چاہیے تمہیں ...... جا لے جا..

اُستاد آج خلافِ معمول پوری طرح اُس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

وہ اُٹھا اور اپنی درست کی ہوئی مرسڈیز کی طرف چل دیا۔

ناداں چھورا ...... ضرور کہیں دل لگا بیٹھا ہے۔

ہاں اُستاد .... ہمیں بھی شک ہے۔۔

دونوں چھوٹے لڑکوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔

بکواس نہ کرو ...... ہاتھ تیز مارو زرا ....

اُستاد نے دونوں کی پُشت پر ہاتھ رکھا .... اور دو لڑکے تیز تیز اُس کی ٹانگیں دبانے لگے۔

گاڑی ایک زوردار چرمر کی آواز کے ساتھ گیٹ پر رُکی' نے چند لمحے سوچا کہ گاڑی کو گیٹ کے اندر لے جانا بہتر رہے" یا باہر ہی ...... پھر وہ باہر نکلا ...... کھٹاک سے دروا بند کیا اور ہونٹوں سے سیٹی بجاتا اندر داخل ہو گیا۔

جو ہو سو ہو ——— بے دھڑک اُس نے کال بیل انگلی رکھ دی موقعہ شناس تو وہ بہت تھا ... فوراً بات بنانا او اُس کو صحیح اندازے کے مطابق معقول بنا دینا اُس کا خاصہ تھا اُس کی ذہانت تھی۔

آپ کو کس سے ملنا ہے ——— باہر آکر ملازم کہا۔

مجھے شاہانہ صاحبہ نے بھیجا ہے اور میں ستارہ صاحبہ سے چاہتا ہوں۔

وہ چونک کر بولا۔

یہ سُن کر ملازم ہنس دیا۔

اجی صاحب .... ستارہ بی بی تو پہلے ہی شاہانہ بی بی کے گھر جا چکی ہیں۔

ندامت سے اُس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی ....

اچھا .... تو میرے ساتھ شاہانہ نے مذاق کیا ہے

...... لیتا ہوں اُس کی خبر ....

وہ اُلٹے پاؤں لوٹ آیا .... اُس نے گاڑی بھگا لی اور شاہانہ کے پورچ میں روک دی۔

ارے .... اورنگ زیب تم ....

شاہانہ اور ستارہ قریبی لان سے برآمد ہوتے بولیں۔

آج اللہ نے بچا لیا .... ورنہ مارا جاتا۔

وہ گاڑی سے اُتر کر ہنس کر بولا۔ اور مختصر داستان دونوں کے گوش گزار کر دی یہ سنتے ہی شاہانہ تو کھل کھلا کر ہنس دی لیکن ستارہ کا موڈ آف ہو گیا تمہیں کس نے کہا ہے کہ میں اس حد تک آزاد خیال ہوں کہ جو منہ اُٹھائے چلا جائے گا اُس سے ملاقات کر لیتی ہوں .... اورنگ زیب .... وہ زور سے چلائی۔

اور اُس کا دل دھل گیا

ارے معاف کر دو .... غلطی ہو گئی ....

وہ گھگھیاتے ہوئے گویا ہوا ....

یہ غلطی ہے ...... اگر میرے ابو تمہیں دیکھ لیتے نا ......
تمہارے ساتھ میرا بھی گھیرا تنگ کر دیتے۔

ستارہ شدید غصے میں بھی نہایت خوبصورت اور دلنشین لگ رہی تھی۔

اچھا بھئی تم دونوں جھگڑا کرو .... اور میں تو شام کے کھانے کے لیے کچن میں چلی ....

لیکن شاہانہ ابھی تو صرف بارہ بجے ہیں۔

ستارہ نے پلٹ کر کہا۔

کام بہت ہے ...... تمہیں معلوم ہے نا کہ شام کو ڈیڈی کے ملنے والے بہت سے لوگ ڈنر پر آرہے ہیں۔ وہ لان کا دروازہ پھلانگ گئی۔

ٹھہرو میں بھی آتی ہوں ______

اس سے پہلے کہ وہ بات مکمل کرتی۔

اورنگ زیب نے بازو کھینچا اور گھنے درختوں کے جھنڈ کے پاس لے گیا۔

اورنگ زیب .... اللہ چھوڑ دو میرا بازو ....

وہ اٹھلائی جھلائی اور کسمسا کر سہم گئی۔

نہیں چھوڑوں گا .... تمہارا ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں

پکڑا۔

اورنگ زیب کی گرفت بہر حال مضبوط تھی۔

کیوں ...... ستارہ نے پھر زور لگایا۔

ستارہ نے ہاتھ جھٹکا ....

میری مرضی .... تمہیں کہا نا ہاتھ چھوڑنے کے لیے نہیں تھامے جاتے۔

اورنگ زیب نے انتہائی چاہت و محبت سے ستارہ کے دونوں شانے تھام لیے۔

وہ سُن سی ہو گئی .... جیسے برقی رو اُس کے ٹھنڈے بدن کو چھو گئی ہو۔ اورنگ زیب کے مضبوط ہاتھوں کے لمس نے اُس کی رگ و پے میں شیرینی سی گھول دی تھی وہ مدہوش ہو گئی ...... سرشار سی۔ عرفان کی بلندیوں پر پرواز کرنے لگی ......

ستارہ بولو ...... میرا ساتھ قبول ہے نا۔

اُس کا سر جھک گیا ...... اوّل تو اُس کی زندگی میں کوئی نوجوان آیا ہی نہ تھا۔ اگر کسی نے راہ محبت میں قدم رکھا تو وہ اورنگ زیب کی طرح نہ تھا۔

بہت وقت گزر گیا اُسے یہ احساس ہی نہ رہا کہ وہ اِس وقت کہاں ہے۔ اچانک شاہانہ کی آواز پر دونوں چونکے

ارے بھئی ادھر ڈرائنگ روم میں آ بھی جاؤ ....

ایک دم گھبرا کر ستارہ چونکی ....

چلو نا اورنگ زیب ...... شاہانہ کیا خیال کرے گی۔

ستارہ شرم وندامت سے سُرخ ہو رہی تھی۔

میرے بارے میں اُس کا خیال اچھا ہی ہے۔

وہ ستارہ کے ساتھ چلتے چلتے بولا۔

اورستارہ مسکرا دی۔ ایک دلنشیں مسکراہٹ جو اورنگ زیب کو بے حد بھائی۔

آج وہ بہت خوش تھا وہ دولت اُسے ملنی تھی جس کی تلاش میں وہ ابھی تک سرگرداں تھا۔ ستارہ اُس کے حواس پر پوری طرح چھا چکی تھی۔ وہ حوادثِ زمانہ سے خوفزدہ ہو کر ستارہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا وہ بہت جلد اُسے اپنے گھر لے آنا چاہتا تھا۔

زیب بیٹے ....

چائے کی پیالی میز پر رکھتے ماں نے اُسے دیکھا۔

جی اماں ......

بیٹا ...... تم نے اس قدر پڑھا ہے .... لیکن ملازمت کوئی اچھی سی تلاش کرو۔

لیکن اماں ...... اب تھک گیا ہوں ...... نہیں ملتی اچھی ملازمت۔ تو کیا کروں۔

وہ مایوس نظر آ رہا تھا۔

افسردہ نہ ہو بیٹا ...... اللہ کو اچھا ہی منظور ہو گا۔

ماں نے دلاسا دیا۔

وہ خاموش چاروں جانب سوچوں میں گھرا ہوا چائے نوش کرتا رہا۔

وہ ورکشاپ جاتا رہا۔

وقت سے پہلے یا بعد میں آتا رہا۔ ستارہ سے ملاقات جاری رہی ...... ستارہ کے سامنے وہ اپنی غربت کو چھپا کر دولت مند آدمی بنا رہا ستارہ بھی اُس کی وجاہت اور دولت مندی کو دیکھ کر دل کھو بیٹھی۔ اورنگ زیب نے اپنی شرافت اور شائستگی سے ستارہ کے گھر خاصی راہ ورسم پیدا کر لی تھی۔ ستارہ کی ماں کوثر جہاں بھی اُسے پسند کرنے لگی تھی۔

آج باتوں باتوں میں کوثر جہاں نے اُس کی دُکھی رگ پر ہاتھ رکھ دیا۔

اورنگ زیب بیٹا۔

جی فرمائیے۔

وہ مودب ہو گیا .... اور چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔

تم نے آج تک اپنے والدین کا ذکر کبھی نہیں کیا ......

جی .... ہاں ...... والدین کا ذکر ......

وہ بُری طرح چونکا ...... جیسے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہو ......

کہاں رہتے ہیں تمہارے والدین ....

والدین کیا پوچھتی ہیں آپ .... سب مجھے چھوڑ کر اگلے جہاں سدھار گئے۔

وہ نہایت پژمردہ بولا۔

اوہو .... چ چ چ ......

کوثر جہاں کو بڑا افسوس ہوا۔

اور شرمندہ زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

اتنے بڑے کاروبار کو سنبھالنا تو بہت مشکل ہو گا۔

کوثر جہاں اُسے خاموش دیکھ کر پھر بولیں۔

کاروبار کو سنبھالنے کے لیے کئی منشی کام کرتے ہیں۔

وہ گپ مارنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔

ہوں ....

کوثر جہاں خاموش ہو گئیں۔

چند لمحے کمرے میں مکمل سکوت رہا .... وہ کافی دیر ستارا کا منتظر رہا لیکن وہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔

بیٹھو بیٹے ....

کوثر جہاں نے اُٹھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

شکریہ اب اجازت دیجیے۔

وہ وہاں سے نکل کر سیدھا سلیم کے ہاں پہنچا۔

دستک دیتے ہی سلیم باہر نکل آیا۔

ارے میرا یار ..... گھر کا راستہ کیسے بھول پڑا۔

سلیم اُسے دیکھ کر بڑی گرم جوشی سے ملا۔

بس آج ورکشاپ نہیں گیا تھا .... سوچا تمہیں ملتا چلوں۔

وہ سیٹھ کرامت کے نوکر کئی بار آئے تھے ..... گاڑی مانگ رہے تھے۔

سلیم نے سادگی سے کہا۔

مل جائے گی کرامت سیٹھ کو بھی گاڑی ...... میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں۔

اورنگ زیب نے پیشانی سے ہاتھوں کو ملا۔

کیوں .... جیب کٹ گئی۔

سلیم ہنس کر بولا۔

ارے چھوڑو یار ..... تمہیں تو مذاق سوجھ رہا تھا، میری جان پہ بنی ہے۔

جان پہ ....

سلیم شدید حیرت کے اظہار میں منہ کھول کر بولا۔

گلی میں باتیں نہیں کرنے والی۔

اچھا ....

پلٹ کر فوراً سلیم نے بیٹھک کا دروازہ کھولا اور دونوں آمنے سامنے بیٹھ گئے۔

میں ستارہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں

وہ بے ساختہ بولا۔

تو کر لو ...... تمہیں منع کون کرتا ہے۔

سلیم نے کہا۔

مثلاً بڑا اگڑ بڑ ہو گیا ہے یار

مثلاً ...... کیا مطلب؟

سلیم حیران حیران سا بولا۔

ارے یار دراصل میں نے جو اُس کے سامنے دولت کا چکر چلا لیا ہے۔ اُس نے کام خراب کر دیا۔

اورنگ زیب نے کہا۔ اور سر کو کرسی کی پُشت پر ٹکا لیا۔

ہاں بھئی یہ بات ہے .... وہ اب تمہیں ہمیشہ ہی دولت مند سیٹھ کے روپ میں دیکھنا چاہتی۔

سلیم نے گہری سوچ سے اُبھر کر اورنگ زیب کی آنکھوں میں جھانکا۔

ہاں ...... لیکن اب کیا ہو گا ....

میرا خیال ہے کہ اب ستارہ سے شادی کر لینا چاہیئے۔ اور اِس کا کوئی حل سوچو۔

اورنگ زیب نے سلیم سے کہا۔

ارے یار شادی تو ہو سکتی ہے ...... عمران اپنا جگری یار۔

اُس کی بیوی ...... بیشیا بھابی بہت اچھی عورت ہے .... ہمارے پڑے اور زیورات اور کوٹھی بھی اُن کی ...... شادی ہو جائے وٹا دیں گے۔

سلیم نے خوش ہو کر کہا

ویسے سلیم یار ...... بعد میں ستارہ بُرا نہ مان جائے۔

اورنگ زیب کا دُل ڈھل گیا۔

بُرا ماننے کی کوئی بات نہیں ...... محبت میں ہو جاتا ہے ...

اگر اُسے تم سے سچا پیار ہو گا ...... تو بُرا نہیں مانے گی۔

جب میں اُس کے بغیر جی نہیں سکتا ...... تو اُس کے جذبات مجھ سے مختلف کیسے ہو سکتے ہیں اورنگ زیب بڑے وثوق سے بولا۔

ہاں یہ بات تو ہے۔

سلیم ہنس دیا۔

اور باتوں باتوں میں عمران کی کوٹھی میں شادی کا پروگرام طے ہو گیا۔

اُدھر جب یہ مژدہ کوثر جہاں تک پہنچا تو وہ بیٹی کے روشن مستقبل کو دیکھ کر جھوم اُٹھیں اور پھر اُنہوں نے سرِشام ہی ستارہ کے والد میاں کریم بخش سے مشورہ شروع کر دیا۔

میں کہتی ہوں اِس کام کو دیر نہیں کرنا چاہیئے ...... اللہ نے خود بخود ہی اچھا بھلا رشتہ بھیج دیا۔

یہ تو ٹھیک ہے بیگم ...... لیکن ...... جب تک لڑکے

کے گھر والوں سے نہ ملا جائے .... تب تک آگے بات کیسے چلے۔

میاں کریم بخش جہاں دیدہ شخص تھے۔ کسی معاملے کی تہہ تک پہنچ کر اُس کو صحیح حل دینا اُن کا خاصا تھا۔

جب گھر والے اُس کے ہیں ہی نہیں ...... آپ کس سے ملیں گے۔

کوثر جہاں ترش روئی سے بولیں۔

کوئی تو ہو گا .... اگر والدین نہیں تو۔

وہ بھی برجستہ بولے۔

اُس کا کوئی بھی نہیں .... کاروبار سارے منشی کرتے ہیں خود وہ سیر سپاٹ میں رہتا ہے۔

کوثر جہاں بڑے تفاخر سے بولیں .... جیسے اورنگ زیب کی دولت اُن کی شان ہو،

اس کے جواب میں میاں کریم بخش خاموش ہو گئے۔

آپ کوئی بات تو کریں ....

کوثر جہاں کو کریم بخش کی خاموشی کچھ اچھی نہ لگی۔

کیا بولوں بیگم .... صرف اتنا کہوں گا ..... کہ جو فیصلہ بھی کرنا سوچ سمجھ کر کرنا۔ میاں کریم بخش بڑی سادگی سے بولے۔

اُن کے چہرے کے تاثرات سے عیاں تھا کہ جیسے بیوی اور بیٹی

رکات کو پسند نہ کرتے ہوں۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ...... بھلا ہر فیصلے میں آپ شامل نہ ہوں گے۔

ہوں ....

میاں کریم بخش آہستہ آہستہ چھڑی ٹیکتے ہوئے کمرے سے نکل گئے۔

اور کوثر جہاں نے غصیلے انداز میں شانے جھٹکے اور باورچی خانے ں چل دیں۔

اوہو ....

وہ بُری طرح چونک گئی .... روٹی توے پر جل چکی ھی۔ اُس کی مہک سے سارا صحن جلی ہوئی ہُوا سے بھر چکا تھا بالکل س کے ارمانوں کی طرح

اُس کے سیاہ مقدر کی طرح

بوکھلا کر اُس نے روٹی کو توے سے اُتارا۔ عجلت اور گھبراہٹ میں اُس کی نازک انگلیاں بھی جل گئیں۔ یک کرب ناک سسکی کے ساتھ اُس نے انگلیاں دوسرے ہاتھ ں دبالیں .... اور اپنی سیاہ بختی پر دو موٹے موٹے آنسو رم لاوے کی طرح پگھل کر اُس کے عنابی رخساروں پر سے پھسل صراحی دار گردن کی سفیدی پر تیرنے لگے۔ بڑی بے دلی سے

اُس نے دوپٹے سے چہرا صاف کیا اور دُوسری روٹی توے پر ڈال د

کیابات ہے۔

عین چھکڑا سی سائیکل لیے اورنگ زیب داخل ہوُا۔

کچھ نہیں

اُس نے روٹی کو اتار کر چنگیر میں رکھا اور دُوسری روٹی ڈال دی

اورنگ زیب سائیکل کو دیوار کے ساتھ کھڑی کر کے اُس کے پاس آگیا۔

نوکری مل گئی کیا۔

ستارہ نے اورنگ زیب کو مسکراتے دیکھ کر یہی اندازہ لگایا

ارے نہیں...... ہمارے ایسے مقدر کہاں

اورنگ زیب ستارہ کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

تو ہنسی کس بات کی آرہی ہے تمہیں۔

وہ جل کر کباب ہوگئی۔

تمہیں دیکھ کر ساری کوفت دور ہو جاتی ہے......

وہ اپنے ہاتھ سے ستارہ کے رخساروں سے پانی صاف
ہوئے بولا...... جو آنسوؤں کی صورت بہہ رہا تھا۔

نہہ......

ستارہ نے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اُس کا جی چاہا کو ئلوں سے
چولہا اورنگ زیب کے سر پر الٹ دے بہت اچھی لگتی ہو

ب چولہے میں جلتی آگ کے شعلے تمہارے رخساروں پر اپنی لو بکھرتے
ں تو .... تو یہ بھی چراغ بن کر جلنے لگتے ہیں اورنگ زیب نے
ر اُس کے پیازی رخساروں کو دیکھ کر کہا۔

لیکن وہ روٹیاں رُومال میں سمیٹ چکی تھی ...... اُسے اورنگ
ب کی کوئی بات اچھی نہ لگ رہی تھی ...... ذہنی سکون کا حاصل صرف
لت اور عیش وعشرت تھا۔

وہ خاموش خاموش سا اُٹھ گیا۔

ظالم .... بے درد ....

وہ خود سے بڑبڑائی .... میں جل رہی ہوں ...... اِسے
ق سوجھتا ہے۔

روٹی ملے گی ستارہ بیگم

وہ پھر صحن میں آکر بڑی خوش دلی سے بولا۔

ملے گی .... ملے گی کیوں نہیں .... تم ہاتھ تو دھولو۔

وہ الماری سے برتن نکالتے ہوئے بولی۔

کیا بات ہے ...... آج پھر تمہارا موڈ آف نظر آ رہا ہے کبھی
ں سے بات کر لیا کرو اورنگ زیب اُس کے قریب جا کے بڑی الفت
بولا۔

ہوں .... تین مرتبہ دوزخ میں جلنے کے بعد تم سے ہنس
بات کروں۔

یہ کیسے ممکن ہے۔ ہنہ ....

اُس کے چہرے پر نفرتوں کے انگنت سائے لہرا رہے تھے:....

وہ ایک لمحہ کے لیے لڑکھڑا گیا ...... ستارہ کی پیشانی پر اکتاہٹ بیزاری کی سلوٹیں ایک گھناؤنا روپ دھارے اورنگ زیب کی دنیا لو کے لیے کافی تھیں گھبراؤ نہیں میری جان .... نوکری مل جائے ..... تمہیں کوئی ملازم رکھ دوں گا ...... میں خود اتنی پیاری بیو کو سیاہ کر دو ے دھوئیں کی نذر نہیں کرنا چاہتا اورنگ زیب نے شد محبت کے عالم میں ستارہ کو اپنے بازو کے حلقے میں لینا چاہا لیکن انتہائی بے دردی سے اپنے آپ کو چھڑا لے گئی۔ اور اورنگ دل مسوس کر رہ گیا۔ یا اُسے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا گیا ہو۔ و ریزہ ریزہ ہوا جا رہا تھا۔ اُس نے ستارہ سے شادی کے لیے کچھ بھی کہا۔ اپنی شدید محبت کے ناطے کہا۔ وہ دولت اور حالات کی آ لے کر ستارہ کو کھونا نہیں چاہتا تھا..... اُس کی محبت پاک وصاف کسی جھرنے میں بہتے پانی کی طرح۔ وہ ستارہ کو دیکھ کر حالات کی تما کلفتیں بھول جاتا۔

وہ کر بھی کیا سکتا تھا وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا لیکن وہ ابھی تک اُسے کوئی ڈھنگ کی نوکری نہیں ملی تھی۔ وہ ایک سال سے بیروزگاری کی لعنت کو گلے میں ڈالے گلی گلی کوچہ کوچہ نوکری کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ اگر اُس کا بھی باپ آج اعلیٰ عہدے

فائز ہوتا تو وہ بھی اُس کی وساطت سے شاندار ملازمت پر فائز ہوتا۔ وہ تو بچپن سے ہی باپ کے سائے سے محرُوم تھا ماں نے کس جتن سے اُسے تعلیم دلوائی تھی .... کہ اُس کا بیٹا افسر بنے گا۔ لیکن مقدر میں شاید ایسا نہ تھا۔

ستارہ کی خفگی بھی اپنی جگہ درُست تھی اُس نے کیا دیا تھا اُسے اُس کے بھی ارمان تھے۔

وہ اسی گہری سوچ میں کھویا کھویا اپنے کمرے میں چل دیا۔

بیٹا ...... کوئی کام بنا۔

ماں نے زینہ چڑھتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

نہیں ماں ...... ابھی مقدر میں اور ذلت لکھی ہے۔

وہ مایوس ہو چکا تھا .... ملازمت نہ ملنے کا اتنا غم شدید نہ ہوتا ...... لیکن اُس سے بیوی کی طنز برداشت نہیں ہوتی تھی۔ ستارہ اُن عورتوں میں سے نہیں تھی جو شوہر کی رضا پر زندگی اور خواہشات کی بازی لگا دیں .... اُس کو عیش وعشرت چاہیئے تھا ..... دولت چاہیئے تھی۔

ماں تڑپ اُٹھی۔

یوں نہ کہو بیٹا ...... بُرے دنوں کے ساتھ خدا نے اچھے دن بھی لکھے ہیں۔

اچھے دِن کب آئیں گے .... نہ جانے کب۔

اورنگ زیب نے نہایت افسردگی کے عالم میں اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیشانی سے ہٹایا۔

کھانا کہاں کھاؤ گے۔۔۔۔۔۔ماں کے کمرے میں یا۔۔۔۔۔۔

ہاں ہاں۔۔۔۔۔۔اپنے کمرے میں لگا دو بیٹی۔۔۔۔۔۔

زبیدہ بیگم نے ستارہ کی بات مکمل ہوتے ہی کہا۔

وہ پلٹی۔۔۔۔۔۔کھانا اپنے کمرے میں لے گئی۔

جاؤ بیٹے کھانا کھاؤ۔۔۔۔۔۔اللہ اچھا کرے گا۔۔۔۔۔۔مشک کے وقت گھبرایا نہیں کرتے۔۔۔۔۔۔جاتے جاتے ماں نے دلا دیا۔

کمرے میں درمیانی میز پر کھانا چن دیا تھا۔۔۔۔۔۔اور وہ پانی لی چل دی۔

میں کہتی ہوں۔۔۔۔۔۔چھوڑو نوکری ووکری۔۔۔۔۔۔کوئی چھوٹی موٹی دکان کر لو۔۔۔۔۔۔میرا زیور کام آجائے گا۔۔۔۔۔۔

وہ جگ بھر کر واپس آتے ہوئے بولی۔

ستارہ کا لہجہ نرم تھا لیکن لہجے کا زہر اورنگ زیب کی رگ و پ میں اتر گیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے بیچ سمندر میں اتار د ہو اور سمندری خوفناک جانور اپنی بھیانک آنکھیں پھاڑے بڑے بڑ دیو ہیکل منہ کھولے اسے ہڑپ کرنے کو تیار کھڑے ہوں اس ۔۔۔ جتنے لقمے بھی کھائے ہر لقمہ پتھر کا نوالہ بن کر اس کے حلق میں اٹ

جا رہا تھا اسے بیٹھنا محال نظر آ رہا تھا۔

کیا بات ہے کھانا اچھا نہیں لگ رہا۔۔۔۔۔۔

ستارہ نے حیران نظروں سے اورنگ زیب کو دیکھا جس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

نہیں

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

ہنہہ۔۔۔۔۔۔

بڑی نخوت سے ستارہ نے شانے اچکائے۔

کتنے خود غرض ہیں یہ لوگ۔۔۔۔۔۔سارا دن کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتے رہو۔۔۔۔۔۔اوپر سے یہ دھونس کہ سیدھے منہ بات ہی نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔اور وہ بڑھیا۔۔۔۔۔۔اسے باتیں بنانے کے سوا آتا ہی کیا ہے۔

وہ برتن سمیٹتے سمیٹتے خود سے باتیں کر رہی تھی۔ بلکہ جلتی رہی۔۔۔۔۔۔ کھولتی رہی،

کاش میری بھی شادی نفیسہ کی طرح کسی دولت مند آدمی سے ہوتی۔۔۔۔۔۔

وہ حسین تصورات کی دنیا میں کھوئی کھوئی دور بہت ہی دور نکل گئی۔

اس نے محسوس کیا کہ وہ خوبصورت ترین لباس میں ملبوس زیورات کی لوٹ بنی اپنے خیالی شہزادے کے ساتھ۔۔۔۔۔۔پھولوں کی

وادیوں میں گھوم رہی ہے .... جہاں کوئی غم نہیں ہے.......
نہ غمِ فردا اور نہ غمِ دوراں ....
محبوب کے بازوؤں میں جھولتی .... وہ چلی جا رہی تھی........

ستارہ .... اور ستارہ ....

ایک دم اورنگ زیب کی آواز پر خیالات کا طلسم ٹوٹ گیا ....
اس کے ساتھ ہی ستارہ کو غریب مفلس اورنگ زیب پر رحم کی بجائے نفرت سی ہونے لگی .... اگر وہ جھوٹی آن بان کو ظاہر نہ کرتا تو آج وہ بھی کسی امیر کبیر آدمی کی بیوی ہوتی۔

آئی بابا........

وہ چونک کر اُٹھی اور جوتا گھسیٹتی نیچے چل دی۔

چائے بنا دو ....

وہ بڑی لجاجت سے کہہ کر واپس چلا گیا۔

اور پاؤں پٹختی باورچی خانے میں چل دی۔

والدین کے گھر میں ہر کام اُس کے ملازم کرتے تھے.....
اور یہاں صبح و شام چولہا خود پھونکنا پڑتا ہے۔ کیسا فراڈ کھیلا ہے۔

اس نے محبت کا .... اُف میں کیوں اس کی ظاہری شان شوکت پر مر مٹی ......

وہ اورنگ زیب کے چھوٹے سے گھر میں ناک تک آ گئی تھی۔ اُس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو رہا تھا۔ چولہے پر چائے کا پانی کھول رہا تھا۔

اُس کے جسم میں گردش کرتے خون کی طرح۔





حالات سے چوری چوری وہ محبت کی آگ میں جلتا رہا۔ لیکن ستارہ اُس کی مونس و غمخوار ثابت نہ ہوئی اور جو جمع پونجی تھی وہ بھی ساری گھر کے اخراجات میں استعمال ہو گئی۔ لیکن اورنگ زیب کو ملازمت نہ ملی۔ اگر اچھی جگہ کہیں ملازمت مل بھی جاتی تو وہ کیا کر لیتا .... اُس کی ہزار دو ہزار کی تنخواہ میں بیوی کی آسائش پوری نہیں ہو سکتی .. وہ بستر پر پڑا عجیب عجیب سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں اتر رہا تھا۔ کہ ستارہ کی آمد پر ایک دم سے چونکا۔

آئیے ..... آئیے ..... زہے نصیب ....

وہ ستارہ کو اپنے قریب بیٹھتے دیکھ کر خوش ہو گیا۔

آج جمعہ ہے نا ....

ستارہ نے آہستہ سے مسکراہٹ بکھیر دی۔

اچھا .... جمعہ کا اس قدر احترام .... اللہ کرے ہر

شب اور ہر دن جمعہ بن جائے۔

وہ پوری طرح قہقہہ لگاتے ہوئے ہنسا ..... ستارہ بھی ہنس دی۔

اُس کی ہنسی جیسے تاریکی میں ایک دم روشنی کی کرن نظر آ جائے۔ یا دور کہیں گھپ اندھیرے میں دیئے کی لو........

میں نے سوچا .... آج امی کے ہاں ہو آؤں ....

ستارہ نے اورنگ زیب کا چہرہ بغور دیکھا۔

امّی کے پاس .....

اورنگ زیب بجھ سا گیا .... جب سے شادی ہوئی تھی ایک چھٹی بھی اُس کے ساتھ اُس نے نہیں گزاری تھی ...... اُسے دُکھ تو بہت ہوا .... لیکن پھر بھی وہ مسکرا دیا۔

ستارہ ....

وہ اُٹھ کے بیٹھ گیا۔

ہوں ....

ستارہ نے کہا .....

اورنگ زیب نے ستارہ کو اپنے قریب کرنا چاہا۔

لیکن وہ اورنگ زیب کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

یہ ساتھ اتنا کمزور نہیں جو اتنی آسانی سے ٹوٹ جائے۔

اورنگ زیب نے ستارہ کو اپنے بازو کے ہالے میں لے کر اپنے اور قریب کر لیا۔ ستارہ مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے۔ خدارا میری محبت رسوا نہ کرو...

شدید احتجاج جو اُس کی رُوح کی زبان بن کر اُس کے الفاظ میں سمٹ آیا یہ خالی خولی محبت کی میں قائل نہیں ہوں...... جہاں ہر ضرورت کے لیے ایڑیاں رگڑنا پڑیں...... بھاڑ میں جائے یہ محبت......

ستارہ نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اُس کے چہرے پر حد درجہ نفرت اور ظالمانہ انداز جھلک رہا تھا۔

ستارہ......... یہ تم کیا کہہ رہی ہو.........

وہ بُری طرح گھبرا گیا...... اُسے نہیں معلوم تھا کہ ستارہ اُس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے گی۔

ہاں.... ٹھیک کہہ رہی ہوں...... میں نے تم سے شادی یوں سسکنے کے لیے نہیں کی تھی......

ستارہ کی رگیں اُبھر آئیں...... اُس کی خوبصورت آنکھیں شعلے برسانے لگیں۔ کیا تمہیں محبت نہیں مجھ سے

وہ بُجھا بُجھا سا بولا...... یوں جیسے اُس آواز کسی غیر آباد کنوئیں سے آ رہی ہو۔

محبت تھی...... لیکن اس ماحول کے بارے میں میں نے کبھی

نہیں سوچا تھا۔

وہ شدید غصے سے غرائی۔

وہ خاموش رہا

میں جا رہی ہوں...... اور کچھ دن لگ جائیں گے۔

وہ اپنے تراشیدہ بالوں کو جھٹک کر بولی۔

لیکن...... تم تو پچھلے جمعہ پندرہ دن رہ کر آ رہی ہو۔

اورنگ زیب کا لہجہ بدستور نرم تھا...... وہ ستارہ سے زیادہ الجھنا نہ چاہتا تھا۔ کیونکہ اس سے مزید حالات بگڑنے کا اندیشہ تھا لیکن اب جانے میں کیا قباحت ہے۔ آخر وہ میرے والدین ہیں۔

وہ تو مرنے مارنے پر تلی ہوئی تھی۔

اچھا جاؤ...... لیکن جلد لوٹ آنا...... تمہاری جُدائی بڑی شاق گزرتی ہے۔ وہ ساری ویرانیاں آنکھوں میں سمیٹے بظاہر مسکرایا

اور وہ بیگ میں کپڑے ڈالے زینہ اُتر گئی۔

اپنے سر کو اُس نے تکیے پر گرا لیا..... جیسے یہ بھی منوں وزن ہو اور اس بوجھ کو اُٹھانے کی سکت نہ رکھتا ہو...... وہ اندر سے ٹوٹ چکا تھا...... پارہ پارہ ایسا شیشہ جس کی کرچیں خود اُس کے وجود میں دھنستی چلی جائیں...... بے چین مضطرب اور بے قرار وہ تکیے میں منہ دیے رو دیا....

اورنگ زیب بیٹا۔

ماں زینہ چڑھ کر ہانپتی ہوئی اُوپر آ چکی تھی۔
جی امّی .... آئیے ....

جلدی نے چہرا صاف کئے وہ سیدھا ہو گیا۔
بیٹا .... بہو کہاں گئی ہے ....
زبیدہ بیگم نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
والدین کے ہاں امّی ————

وہ کرب ناک انداز میں بولا۔
لیکن بیٹے ...... ابھی پچھلے دنوں وہ پندرہ دن رہ کر آئی ہے ...... تمہارا دل نہیں چاہتا کہ اُس کے ساتھ کوئی چھٹی ہنستے کھیلتے بسر کرو ....

ماں کو بیٹے کی تنہائی پر دُکھ ہوا۔
میرے دل کی اُسے پرواہ نہیں ہے .... مجھ سے زیادہ وہ والدین سے محبّت کرتی ہے۔ وہ زخمی زخمی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر لا کر بولا۔
تم اُس کے شوہر ہو .... اُسے رُوکو بیٹا .... اس طرح گھر تباہ ہو جاتے ہیں۔
زبیدہ بیگم نے آنے والے خطرے سے آگاہ کیا ہو جیسے ...... تجربہ کار عورت تھیں۔
اندیشے اُن کا سینہ چاٹ رہے تھے عجیب عجیب وسوسے اُن کو

ڈرانے دھمکانے کے لیے چاروں جانب موجود رہے۔
وہ خاموش رہا .... جواب سے عاری ....
وہ سزا کاٹ رہا تھا .... اُس محبّت کی ...... جو بن دیکھے اُس کے وجود میں زہر بن کر اُتر گئی تھی ...... وہ زندگی کا زہر قطرہ قطرہ کر کے حلق میں اُتار رہا تھا۔ غربت کی بھیانک عفریت اُس کو چاروں جانب چنگھاڑتی سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے دھوکا کیا .... اپنے ساتھ .... حسن و عشق کے جال میں وہ اِس قدر الجھ گیا کہ اُسے آئندہ مستقبل کی تاریک راہیں بالکل نظر نہ آئیں۔ تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔
زبیدہ بیگم نے پژمردہ سے پریشان حال بیٹے کو بغور دیکھ کر کہا۔
کیا جواب دوں امّی .... میرے پاس جواب دینے کو کیا رہ گیا ہے۔ وہ یوں گویا ہوا۔ جیسے اُس کے سر پر فلک بوس پہاڑ جھکا ہو ...... اور وہ ایک ہاتھ اُونچا کر کے اُس کے گرنے والے اثرات سے بچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن پھر بھی وہ اپنے وجود کی کرچیں چاروں جانب بکھری دیکھ رہا تھا۔ وہ کہاں جائے اُس کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ ایک ماں کا دم ہے جس سے دکھ سکھ کی بات کر لے۔ لیکن کہاں تک۔
بیٹا میرا مطلب تمہیں کوئی دُکھ دینے کا نہیں .... میں تو چاہتی ہوں ...... وہ تمہاری بیوی ہے ...... آج تک جس دن بھی

تم گھر میں رہے ہو .... وہ کبھی تمہارے پاس نہیں رہی۔ تم
بھی حق بنتا ہے ......

ماں کو بیٹے کی خوشی منظور تھی۔

مجھ سے زیادہ اُسے والدین عزیز ہیں امی ....

اورنگ زیب نے کروٹ لے لی ...... جیسے اپنے گناہوں پر
شرمندہ ہو۔

کیوں بیٹا ......

ماں حیران رہ گئی .... اُسے نہیں معلوم تھا کہ ماضی میں اُس کا
بیٹا اُس حسن کو مسخر کرنے کے لیے کیا کچھ کرتا رہا تھا۔

یہ آپ نہیں سمجھیں گی امی جان .... اُس نے ٹھنڈی سانس
لی۔

اورنگ زیب نے سادہ سی نظر ماں کے نرم چہرے پر ڈالی ....
جسے بیٹے کو خوش دیکھنے کی کس قدر آس تھی اِس کے جواب میں ماں
خوش ہوگئی۔

آداب میاں جی ....

باپ کو بیرونی گیٹ کے درمیان کھڑے دیکھ کر وہ جھک کر مؤدب سا
کرتے بولی۔

جیتی رہو ...... اکیلی ہو ....

میاں کریم بخش نے حیرت زدہ سا چہرا بنا کر رکشہ ڈرائیور کی ساتھ و

سیٹ کی جانب دیکھا۔

جی ہاں ...... اورنگ زیب آنا نہیں چاہ رہے تھے۔

وہ جان بوجھ کے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے بولی۔ دراصل والدین
کے دل میں نفرت بڑھانے کا طریقہ تھا

کیوں ...... یہاں اُس کا احترام نہیں ہے کیا ......

میاں کریم بخش کو کچھ اچھا نہ لگا کہ ابھی چند ماہ ہی تو شادی کو ہوئے
تھے ...... وہ ایک مرتبہ بھی سسرال نہیں آیا تھا۔

معلوم نہیں میاں جی ......

وہ اندر آگئی۔

ارے .... ستارا بیٹی تم .... آج پھر خیریت تو ہے نا۔

تین دن کے بعد ستارہ کو آتے دیکھ کر کوثر جہاں حیرت زدہ سی ہو
گئیں۔

سب خیریت ہے ..... بس جی نہیں لگتا ......

وہ بیگ کو ایک طرف رکھ کر ماں کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

بیٹی کے چہرے پر اطمینان کی جگہ بے سکونی دیکھ کر وہ بے چین
ہوگئیں۔

بیٹی۔ اورنگ زیب کو ابھی نوکری نہیں ملی۔

کوثر جہاں نے کہا۔

خاک نوکری ملی ہے ..... اتنی مشکل سے گزر ہو رہی ہے نا

امی.......

ستارہ حد درجہ پریشانی سے بولی۔

آخر بیٹا ملازمت مل ہی جائے گی....... اِس میں پریشانی کی سی بات ہے۔

میاں کریم بخش اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔

نوکری مل بھی جائے گی تو کیا ہو گا....... سارے ش کا تو قرض ہے اُن لوگوں پر

ستارہ نے نفرت سے منہ سکیڑا۔

کوئی بات نہیں بیٹی...... اِن حالات میں ایسا ہو جاتا ہے ..... وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے........ اچھی ملازمت ملے گی اُسے

میاں کریم بخش اورنگ زیب کو کسی قیمت پر کمتر نہیں سمجھتے تھے

اُسے نہ نوکری ملی....... اگر ملنی ہوتی تو تین سال دھکے کھا نہ گزرتی۔

کوثر جہاں حسب عادت ہاتھ نچا کر بولیں۔

ایسا نہ کہو....... ملے گی ملازمت...... کیوں نہیں گی۔

میاں کریم بخش بولے۔

نہ جانے کیا سوچ کر اپنی بھولی سی بچی کو آگ میں جھونک دیا۔

ایسا نہ کہو بیگم...... بہت اچھے لوگ ہیں.......

میاں کریم بخش بیوی کے دل کو صاف کرنا چاہتے تھے۔

اچھی بھلی نوکری ملی تین ماہ کے بعد شہزادے گلفام نے وہ بھی ڑ دی۔

کوثر جہاں طنزیہ زہر اچھالنے لگیں۔

ارے بھئی چھوڑی کہاں........ جس کی جگہ پر اورنگ زیب کام کیا تھا وہ شخص اپنی سیٹ پر آ چکا تھا۔

ہنہ.......

کوثر جہاں نے ناک چڑھائی اور اپنی ارزقی آنکھوں کو اور گول کر محبت پاش نظریں بیٹی پر ڈال دیں۔

ستارہ بڑی معصوم صورت بنائے والدین کی نوک جھونک دیکھ تھی - جاؤ بیٹی اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔

کوثر جہاں نے کہا۔

میاں کریم بخش کچھ سوچنے لگے۔

یوں لگتا ہے جیسے دونوں کی آپس میں بنتی نہیں ہے۔

میاں کریم بخش تشویش ناک انداز میں بولے۔

کیسے بن سکتی ہے...... جب شوہر نے بیوی کی کوئی ضرورت پوری نہیں کرنی...... یا ہر وقت اُس کی حق تلفی کرے گا تو.....

کوثر جہاں چلا کر بولی۔

یہ تو بہت بڑی بات ہے..... جمعہ جمعہ آٹھ دن تو ہوئے

ہیں شادی کو۔

میاں کریم بخش بولے۔

بڑا چکر کھیلا اُس نے ہمارے ساتھ

کوثر جہاں دل کے پھپھولے پھوڑنے لگیں۔

ہوں.........

میاں کریم بخش سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش تھے..
کیا کرتے بیٹی کا معاملہ تھا..... کچھ کہہ نہیں سکتے تھے۔

اُدھر وہ سوچوں کی اتھا گہرائیوں میں ڈوبتی جا رہی تھی۔ حالا
سے سمجھوتہ کرنا اُس نے سیکھا ہی نہیں تھا..... بچپن سے ا
تک والدین کے لاڈ پیار نے اُس کو خواہشات سینے میں دبا
کی عادت ہی نہ ڈال۔

جن حالات میں اُن کی شادی ہوئی تھی.... وہاں تو غربت کا س
ہی پیدا نہیں ہوتا تھا....... کتنا فراڈ تھا.........

وہ جوں جوں سوچتی .... اُسے اورنگ زیب سے ن
سی ہونے لگی۔

اسی کشمکش میں کئی روز گزر گئے ...... ستارہ نے جانے
نہ لیا۔ بلکہ کوثر جہاں نے دبی دبی زبان سے اُسے سمجھایا۔
بیٹی .... آج تمہیں کئی روز ہو گئے ہیں ...... کہ
جھگڑا تو نہیں ہو گیا.....

کیا کروں گی وہاں جا کر وہ چار آنے کی ضرورت بھی میری پوری نہیں
کر سکتا۔

میں نہیں جاؤں گی.........

وہ جھلا کر بولی....... اُسے ماں کی بات اچھی نہ لگی تھی.......
جیسے آج ماں اُسے بوجھ سمجھ رہی ہو....

ہاں یہ تو بات ہے........ اُس نے جو دیکھایا.......... وہ
نہیں تھا۔ خبیث...... کوثر جہاں دانت پیس کر بولیں۔

صرف دولت مند کا روپ دھار کر اُس نے ہمارے جذبات کو
ٹھیس پہنچائی ہے۔

کوثر جہاں کو شدید غصے کی حالت میں دیکھ کر ستارہ نے کہا...... وہ
ماں کی عادت کو جانتی تھی کہ وہ اُس کی ہر بات کو حرفِ قرآن سمجھتی ہے۔
لیکن بیٹی کافی عرصہ تم ایک دوسرے سے ملتے رہے ہو.......
تمہیں کیوں اُس کی اصلیت کا علم نہ ہوا۔

کوثر جہاں نے حیرت زدہ چہرہ ستارا کی جانب گھمایا۔

امی .... وہ اتنا چالاک آدمی ہے کہ اُس نے بڑی ہوشیاری
سے اپنا سب کچھ مجھ سے چھپایا جو ظاہر ہے۔

ستارہ جیسے دُکھے دل سے بولی۔

اسی اثنا میں میاں کریم بخش اندر داخل ہوئے.......... وہ
دفعتاً تعلق توڑنے کے حق میں نہیں تھے..... کچھ سوچ کر وہ بیوی

کے قریب بیٹھ گئے۔

کوثر جہاں ....

اُن کی پکار میں التجا تھی .... جو جدائی اور نفرت کی دیوار
کی بیٹی اور بیوی استوار کرنا چاہتی تھی ...... وہ اُس کے حق میں ب
نہیں تھے۔

جی ....

کوثر جہاں نے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر میاں کریم بخش کی
چہرا گھمایا۔ ستارہ کو شوہر سے محبّت کرنی سکھاؤ.....

وہ بڑی عاجزانہ نرمی سے بولے۔

کیا .... محبّت میرے چاہنے سے ہو گی .....

کوثر جہاں حسبِ عادت چیخ اُٹھیں

اور وہ خاموش ہو گئے یا اُنہوں نے بیوی کی بات سُن کر کا
بند کر لیے ہوں۔

اور جب اُنہوں نے بیٹی کو سمجھانے کے لیے اُدھر منہ کیا..
تو وہ باپ کی نصیحت سے پہلے ہی متنفر تھی ...... اور جا چکی
وہ خاموش چند سکینڈ بیٹھے رہے .... اور اُٹھ کر
جانے لگے۔

میں کہتی ہوں .... جا کہاں رہے ہیں .... اس مسئ
کا کوئی حل بھی ہو گا کہ نہیں۔

کوثر جہاں نے پھر اُنہیں بٹھا لیا۔

کیا حل ہو سکتا ہے .... کوئی معاملہ خوش اسلوبی سے طے
نہیں ہونے دیتیں تم لوگ۔ وہ چند سانسوں کے درمیان بولے۔

ہنہ ....

کوثر جہاں نے اتنا ہی کراہت آمیز انداز میں منہ دوسری طرف
کر لیا۔

اور وہ خاموش بیٹھے رہے ......

عین اِس وقت دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا ....

تم ....

کوثر جہاں بُری طرح چونک گئیں۔

لیکن میاں کریم بخش کے تاثرات میں کوئی فرق نہ آیا۔

جی ہاں .... میں .... ستارہ کہاں ہے ......
میں اُسے ملنا چاہتا ہوں۔

بیٹے آرام سے بیٹھ کر بات کرو ......

میاں کریم بخش نے اورنگ زیب کے چہرے پر اُداسی اور
پریشانیوں کے لاتعداد سائے لہراتے دیکھ لیے تھے۔

کیا واسطہ ہے تمہارا ستارہ کے ساتھ

کوثر جہاں چلّا کر بولیں۔

واسطہ .... وہ میری بیوی ہے .... اور یہ حق

میرا کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ وہ بھی برجستہ بولا
حق جتانا تمہیں آتا ہے .... لیکن اُس کی خواہشات کا
احترام نہیں آتا تمہیں .... کوثر جہاں نے پھر زہر سے بجھا
ایک اور تیر تاک کر مارا۔

وہ کلبلا اُٹھا.....
اُس کی خواہشات کا احترام میری زندگی ہے .... وہ بے
تاب ہو گیا.........

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں .... تمہارے اختیار میں کچھ
نہیں......

کوثر جہاں نے کہا .... اور کمرے سے نکل گئیں......
میاں صاحب .... آپ ہی کچھ سمجھائیے ستارہ کو.....
یوں آباد گھر کو ویران نہ کرے .... دولت تو آنی جانی ہے....
گھر پھر آباد نہیں ہو گا ....

وہ قالین پر دو زانوں بیٹھ کر جیسے گڑگڑا اُٹھا۔
بیٹا .... اس گھر کی کل کائنات کوثر جہاں کے گرد گھومتی
ہے ..... میری حیثیت تو یوں سمجھو .... خالی جگہ پُر کی
گئی ہے۔

وہ نہایت افسردگی سے بولے۔
کیا آپ ستارہ کو نہیں سمجھا سکتے۔

وہ مضطرب سا بولا۔
نہیں بٹیا .... میں نہیں سمجھا سکتا .... تم خود بات
کرلو........

ٹھیک ہے ....
وہ اس کے ساتھ ہی زینہ پھلانگ کر ستارہ کے کمرے میں پہنچ گیا۔
آسکتا ہوں ....
دروازہ کھولتے ہی اُس کی شگفتگی لوٹ آئی۔
اورنگ زیب .... تم ....
وہ ٹیپ کا سوئچ آف کرکے ایک دم سیدھی ہوگئی۔
ہاں ...... بیٹھنے کے لیے نہیں کہو گی ....
وہ بڑی محبت و چاہت سے بولا۔
بیٹھ جاؤ ....
وہ پیشانی پر بل ڈال کر بولی ....
وہ بل کھاتی ہوئی اُٹھی .... اور اورنگ زیب کے قریب
سے گزر کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔
لیکن
جھک کر نہایت ہوشیاری اور چابک دستی سے ستارہ کا بازو تھام
لیا۔
یوں آسانی سے چھوڑ کر تم نہیں جاسکتی .... سمجھی۔

وہ اُسے اپنے قریب کرتے بولا۔

چھوڑ دو مجھے .... اورنگ زیب ....

بازو چھڑانے کی سعی کرتے بولی۔

کیوں چھوڑ دوں .... اتنی مشکل سے تمہیں حاصل کیا ہے۔

...... ایسے ہی چھوڑ دوں وہ مُسکرایا .... اور ستارہ کو پلنگ پر بٹھا دیا اور خود قریب بیٹھ گیا وہ پوری طرح اُس کے حصار میں تھی۔

اگر یہ کام سچائی کی بنیاد پر کرتے تو بہتر تھا۔

اگر تمہیں حاصل کرنے کے لیے سچ بولتا تو تم نہ شادی کرتیں مجھ سے ..... وہ اس وقت سچ پر تھا۔

تو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی .... ہزاروں لڑکیاں تھیں .... کسی سے بھی ——— مجھے صرف ستارہ چاہیئے تھی .... جس سے مجھے محبت ہے .... اور ہمیشہ رہے گی .... وہ ستارہ کے بالوں کو درُست کرتے بولا۔

لیکن مجھے تم سے محبت ہے اور نہ ہو گی۔

ستارہ نے نہایت ستم انگیز انداز اختیار کر لیا تھا۔

کوئی بات نہیں .... اگر محبت یکطرفہ بھی ہو تو گزارہ ہو سکتا ہے۔ وہ اطمینان سے بولا۔

اور ستارہ اُس کے چہرے کو دیکھتی رہ گئی ...... ڈھیٹ ....

اورنگ زیب نے محسوس کیا وہ اُس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی

بار بار وہ کمرے سے جانے کا ارادہ کر رہی تھی .... وہ تو اورنگ زیب کی گرفت مضبوط تھی ورنہ وہ کب کی اُسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔

ہارن کی آواز پر وہ بُری طرح چونک گئی۔

کون ہے ....

اورنگ زیب نے اُس کے وجود کو اچانک تھرتھراتے محسوس کیا۔

کوئی بھی نہیں ....

وہ جھوٹ کا سہارا لے گئی۔

ارے .... اُٹھو گھر چلیں .... امی تمہارے بغیر اُداس ہیں۔

وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

نہیں اورنگ زیب میں نہیں چلوں گی۔

وہ بڑی سنگ دلی سے انکار کر گئی۔

کیوں؟

وہ جھک کر کیوں کے لفظ کو لمبا کرتے بولا۔

میں چند دن ذہنی طور پر آزاد رہنا چاہتی ہوں .... وہاں جا کر پریشانی میرا دماغ چاٹ لیتی ہیں۔

وہ اب صاف گوئی پر اترتی جا رہی تھی۔

ٹھیک ہے .... میں سب سمجھتا ہوں ...... جو سوچ لیتی

آسائشیں تمہیں والدین کے گھر میں ہیں ...... میرے ہاں بالکل یہ
نہیں .... لیکن میں خود کو کیا کروں .... یہ دل تمہاری
یاد میں دیوانہ ہے .... نہ دن کو چین آتا ہے۔ اور نہ
رات کو سکون کی نیند ....

ستارہ تم میرا سکون ہو .... میری راحت ہو ....
میری زندگی کی ہر خوشی تمہارے ساتھ ہے۔

وہ دیوانہ وار اُس کی پیشانی کو چوم کر بولا ..... اور وہ اُسے
خبطی پاگل اور بیوقوف جان کر مسکرا دی۔ وہ سرے سے ہی
اورنگ زیب کو دو ٹکے کا انسان سمجھتی تھی۔

چھوٹی بی بی .... بڑی بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔

ملازمہ نے بغیر اجازت داخل ہو کر کہا۔

چونک کر اورنگ زیب نے ہاتھ ہٹا لیا۔

اسی قدر اخلاقی گراوٹ ہے تمہارے ملازمین میں .....
ہمارا شرعی رشتہ ہے۔

وہ اخلاقیات کا درس دینے بیٹھ گیا .... اور وہ چل
دی وہ دیکھتا رہ گیا۔

ارے ستارہ سنو ..... سنو تو

لیکن وہ جا چکی تھی ....

یہاں دال گلتی نظر نہیں آ رہی۔

چاروناچار وہ بھی زینہ اترا اپنے گھر کی جانب چل دیا ....
یوں جیسے ہارا ہوا جواری بازی ہار کے جا رہا ہو .... یا
کائنات پر سے خدائے کریم نے زندگی کا احساس چھین لیا ہو ....
یا پھر
چورستے میں اُس کو سولی چڑھا دی گئی ہو، وہ ستارہ کے بغیر زندگی
کا ہر مشن ناکام سمجھ رہا تھا۔ وہ سب کچھ جانتا تھا کہ ستارہ اُس کی
غربت سے خائف ہے ..... وہ پھر بھی اُسے چاہے جا رہا تھا ....
اس دل کا کیا کروں جو ضدی بچے کی طرح صرف ستارہ کے لیے مچل
رہا تھا۔

یوں ہی پریشان حال اُس نے گھر کی دہلیز پر قدم رکھا۔

آ گئے بیٹا ....

ماں صحن میں بیٹھی اُس کی منتظر تھی۔

ہاں امی .....

وہ لٹا لٹا ساماں کے قریب ہی چوکی پر بیٹھ گیا۔

کیا بات ہے .... پریشان نظر آ رہے ہو۔

زبیدہ بیگم نے حیران ہو کر پوچھا۔

کچھ نہیں امی .... ویسے ہی طبیعت کچھ بیزار ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے بالوں سے زمانے کی دھول ہٹاتے
بولا۔

ستارہ کے ہاں گئے تھے...... کیسی ہے میری بیٹی........ آنے کا نہیں کہہ رہی تھی........

زبیدہ بیگم بہو کی محبت میں بُری طرح گرفتار تھیں۔

وہ نہیں آئے گی ماں........

وہ اُٹھتے ہوئے بولا...... اور غسل خانے کی طرف بڑھ گیا۔

زبیدہ بیگم سوچتی رہ گئیں۔

کیا شادی کی میں نے اپنے بیٹے کی .... اُس کی زندگی جہنم ہی بنا دی۔

ایک دن بھی اُس نے بیوی کا سُکھ نہیں دیکھا۔

وہ سوچتی رہ گئیں اور وہ غسل کر کے نکل بھی آیا.......

اماں...... کہاں چلی گئی ہو...... بہو کی یاد کو دل سے نکال دو...... وہ مذاق ہی مذاق میں ماں سے بولا۔

ہیں..... تم غسل کر بھی چکے......

زبیدہ بیگم ایک دم بڑبڑا کر بولیں۔

ہاں ماں....... لیکن تمہاری بہو نہ آئی........

وہ خود اپنی ہستی کو تمسخر سے اڑا رہا تھا۔

کیوں نہ آئے گی......... یہاں تو اُسے بڑے سُکھ ہیں..... سارے گھر کی مالک ہے۔

زبیدہ بیگم بولیں۔

اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب کا فلک شگاف قہقہہ آسمان کے ساتوں پردے پار کر گیا۔

اماں...... تم کس بہو کی بات کر رہی ہو...... جو خاوند کے دل میں رہ کر اُس کے وجود کی کل کائنات پر حکومت کرتی ہو.... اُس کے احساسات و جذبات پر شوہر کا قبضہ ہو...... بیوی کے قول و فعل کے تمام تر اختیار شوہر کے ہوں........ جو شوہر کی ہستی کو ہیرے جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھتی ہو........

تمہاری بہو ایسی نہیں ہے ماں......

وہ زبیدہ بیگم کے شانے دباتے ہوئے بولا۔

پھر کیسی ہے بیٹے۔

ماں بڑی معصومیت سے بولی۔

وہ دولت چاہتی ہے۔ کوٹھی۔ کار بنگلہ اُس کی ضروریات میں شامل ہے۔ وہ طنز آمیز انداز میں کہہ گیا۔ یوں۔ جیسے اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔ ماں خاموش رہی....... ستارہ کے کوسنے تو اُس نے بھی سنے تھے۔ لیکن وہ بیٹے کو بتا کر اور دُکھی نہ کرنا چاہتی تھی۔

اچھا چھوڑو ان باتوں کو...... کھانا لاؤں تمہارے لیے۔

زبیدہ بیگم نے کہا۔

ہوں...... اور وہ آئینے کے سامنے بال بنانے چل دیا
اورنگ زیب بیٹے....... یہ خط ———
صحن میں جاتے ایک نیلے رنگ کے لفافے کو دیکھ کر زبیدہ بیگم
ٹھٹھک گئیں۔
دیکھائیے تو........
وہ ایک دم باہر نکلا
زبیدہ بیگم نے لفافہ اُس کے ہاتھ میں تھما دیا۔
لفافہ چاک کر کے ایک نظر میں اُس نے سارا کاغذ پڑھ لیا۔
اماں نوکری مل گئی۔
مل گئی۔ اللہ تیرا شکر ہے۔
ماں نے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔
لیکن امی تنخواہ ابھی تھوڑی ہے۔
وہ خوشی سمیٹ رہا تھا....... شاید اب ستارہ لوٹ آ
صرف ۲۰۰۰ ہزار روپے
وہ جیسے مایوس ہو گیا۔
تو کیا ہوا......... قرض اتر جانے کے بعد سکھ ہی سکھ
کے ہمارے ساتھ.........
ماں بہت خوش تھی۔
رات جوں توں کر کے گزاری۔

صبح ہوتے ہی وہ دفتر سے واپسی پر ستارہ کے ہاں پہنچ گیا۔
گھر میں اس وقت صرف ستارہ اور میاں کریم بخش موجود تھے وہ
اپنے کمرے میں بیٹھے حسبِ عادت تنہا ہی شطرنج کی بازی لگا رہے
تھے اور ستارہ اپنے کمرے میں خوبصورت نرم بستر پر ریشمی گاؤ تکیے
سے ٹیک لگائے انگلش دھنوں سے محفوظ ہو رہی تھی......
وہ دروازہ کھول کر سیدھا ستارہ کے کمرے میں ہی چلا گیا۔
ستارہ......
وہ جاتے ہی بولا۔
اُف اللہ....... کیا وحشت آن پڑی.......
وہ بُری طرح چونک گئی....... اِس وقت اورنگ زیب کی مداخلت
اُسے سخت ناگوار گزری......... اُس کی پیشانی پر ناگوار سی سلوٹیں دیکھ
کر ایک لمحے کے لیے اورنگ زیب کا دل مسوس سا گیا...... پھر اُس
نے ایسے ظالم لمحوں کی پروا کیے بغیر مسکرا کر ستارہ کو پھر چلنے کو کہا۔
نوکری مل گئی ہے تمہیں۔
ستارہ نے یوں کہا جیسے یہ ایک شرط ہو جانے کی۔
ہاں...... ۲۰۰۰ ہزار روپے ماہوار پر......
وہ بڑی مسرت سے بولا۔
دو ہزار....... اس رقم میں تو گھر کا آٹا بھی پورا نہیں آئے
گا۔

ستارہ نے ناک سیکڑی ....

تمہیں کتنی رقم درکار ہو جانے کے لیے۔

وہ مذاق ہی مذاق میں بولا ...... شاید وہ ستارہ کا عندیہ ا
چاہتا تھا۔ مجھے .... میری بات رہنے دو .... میرے
خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوں گے کیوں کہ تم قیامت تک بھی کما
رہو .... تو میرے خیالات پر پورے نہیں اُتر سکتے۔

وہ بیگانہ انداز اپنائے کتنی سفاک تھی .... اور کتنی لاتعا
سے کہہ گئی ....

وہ جل کر راکھ ہو گیا .... لیکن مجبور تھا .... ستارہ اُس کا
تھی۔ اُس کا قرار تھی .... اُس کی آس میں جیئے جا رہا تھ
ایسا پروانہ تھا .... جو جان بوجھ کے شمع پر مر مٹنا چاہتا

تم میرے ساتھ ایک مرتبہ گھر چلو .... ستارہ ....

وہاں ہم دونوں ——— کیا ہم دونوں ———

وہ چلا اُٹھی .... مجھے نفرت ہے تمہاری ایسی باتوں

..... وہ چہرا پھیر کر بولی۔

ستارہ ....

اورنگ زیب نے نہایت محبّت سے اُس کے دونوں شانے
لیے۔

کہاں جاؤں ...... اُس ڈربے میں .... جہاں میرا

ہے .... ستارہ بستر سے اُٹھ کر کھڑکی کے پاس چل دی۔

دیکھو نا .... امّی اِس بڑھاپے میں چولہا جھونکتی ہیں .....
اپنے گھر چلو ——— ہوں .... میری بیٹی باورچن ہے
ہاری .... ساری زندگی اُس نے ایسے کام نہیں کیے تھے۔.. ماشا
لہ کئی کئی نوکر تھے گھر میں .... اب سسرال میں ملازمہ کا درجہ
لا ہے اُسے۔

اچانک کوثر جہاں کی بے جا مداخلت پر وہ تڑپ اٹھا ..... یہ عورت
ب بھی آتی ہے طوفان ہی لے کر آتی ہے۔ لیکن وہ خاموش رہا
...... اور ساس کی جلی کٹی سنتا رہا۔ اگر اور جواب دیتا تو وہ ستارہ کو
وک لیتے۔

کون آیا ہے ....

کریم بخش سہما سہما سا شور سُن کر اُدھر ہی آ گئے۔

داماد ہے آپ کا ———

کوثر جہاں بڑی طنز سے بولیں۔

اُو .... اچھا .... ہمارا بیٹا آیا ہے میاں کریم بخش نے
ورنگ زیب کو گلے لگا لیا۔

اور کوثر جہاں کے نتھنوں سے دھواں نکلنے لگا۔ نفرت کی آگ
بھڑکی اور اُن کا تن من جلا کر راکھ کر گئی۔

چائے لاؤ ...... بیگم .... بیٹے کے لیے۔

وہ کوثر جہاں سے بولے۔
ستارہ خاموش کھڑی تھی.......صرف کبھی کبھی کھڑکی سے باہر جھانک لیتی۔ کوثر جہاں بل کھاتی زینہ اتر گئیں۔
چلو بیٹی.......اورنگ زیب تمہیں لینے آیا ہے۔
میاں کریم بخش نے کہا۔
ہاں چلو نا ستارہ ......تمہارے بنا وہ گھر سونا سونا لگتا ہے
میاں کریم بخش جان بوجھ کے کھسک گئے......وہ دونوں کو رضا مند دیکھنے کے خواہش مند ہے۔
میرے بنا تمہیں گھر سونا لگتا ہے......جانتی ہوں ....
کیوں سونا لگتا ہے۔
میں نوکرانی ہوں اُس گھر کی......کام نہیں ہوتا.....
وہ نفرت کے شعلے برسا رہی تھی۔
کیا کرتی ہو......چھوڑو غصہ .... اتنے دل تو رہ لیا۔
وہ سرگوشیانہ انداز میں جھک کر بولا۔
لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔
تمہارا اپنے گھر میں جانے کو جی نہیں چاہتا۔
وہ گھگھیاتے ہوئے بولا...... جیسے کوئی اپاہج سسک سسک کر چلنے کی کوشش کر رہا ہو۔

چائے ملازم لے آیا تھا۔
تم بناؤ بیٹی.........
میاں کریم بخش واپس پلٹے........وہ دل سے چاہتے کہ دونوں ایک ہو جائیں۔ لیکن نہ جانے کیا ہونے والا تھا۔
وہ تراشیدہ بالوں کو جھٹکا دیتے اپنے کمرے سے نکل گئی۔
اورنگ زیب کا دل خون ہو گیا۔ ستارہ اُس کے ساتھ نباہ ہی نہیں چاہتی تھی۔ وہ بھی کھڑا ہو گیا۔
اچھا.......اجازت.......
بغیر جواب لیے وہ باہر نکل آیا.......
اُس نے اپنی آن خودداری کو بھی داؤ پر لگایا........لیکن دولت پرست عورت اُس کی نہ بن سکی......میری محبت کمزور ہے... وہ جھلا اُٹھا......دل خون ہو گیا۔ ستارہ الفاظ تپتی سلاخ کی مانند اُس کے دماغ کو داغنے لگے.....
وہ اُٹھا۔
ماں صحن میں بہو کی منتظر تھی۔
لے آئے بہو کو۔
زبیدہ بیگم نے خوشی بھرپور جذبات سے باہر نکل کر کہا۔
نہیں اماں.......وہ نہیں آئی....... بلکہ اب وہ اس گھر میں آسکتی...... مایوسیوں نے اُس کا چہرا مسخ کر دیا تھا۔

کیوں؟

ماں کے آنسو ڈھلک کر اُس کی اپنی ہی انگلیوں میں جذب ہو

اس لیے کہ میرے پاس دولت نہیں .... کوٹھی نہیں ہ

.... اماں اُس کا میرے ساتھ گزارہ نہیں۔

وہ آج اِس تلخ حقیقت کو چھپانا نہیں چاہتا تھا۔

لیکن ماں خاموش رہی .... اُس نے وہ دنیا نہیں دیکھ

.... جو ستارہ دیکھنے کی خواہش مند تھی۔





ستارہ بیٹی ....

میاں کریم بخش کو اُس دن اورنگ زیب کا یوں خالی لوٹ جانا

انہ لگا۔

جی میاں جی ....

وہ باپ کے سامنے بھیگی بلی بنی رہی۔

آخر تم چاہتی کیا ہو بیٹی .... اگر اورنگ زیب کے ساتھ نباہ

ہو سکتا تو صاف صاف کہو۔

میاں کریم بخش حقیقت پسندی سے کام لے رہے تھے۔

عین اِس وقت زبیدہ بیگم سفید چادر میں ملبوس اندر داخل ہوئیں۔

بھائی صاحب۔

ارے بہن آپ ....

میاں کریم بخش خوش آمدید کہتے اُٹھے .... اور ستارہ کسمک

گئی۔ کوثر جہاں بھی پھولی ہوئی قریب بیٹھ گئیں۔
بہن ہماری بیٹی کو اب رخصت کر دو نا۔ بہت دن ہو گئے ا
تو۔
زبیدہ بیگم نے لجاتے ہوئے کہا
ستارہ خود ہی نہیں جانا چاہتی۔
کوثر جہاں نے صاف صاف کہہ دیا۔
کیوں؟
زبیدہ بیگم تذبذب کے عالم میں بولیں۔
بھئی...... اُس سے اتنا کام نہیں ہوتا...... نازوں
پلی ہے میری بیٹی...... اس تپتی دوپہر میں چولہا جھونکتی
...... ساری دنیا نے گیس لگوا لی...... تم لوگ اب بھی گیلا ا
پھونکتے ہو۔
کوثر جہاں کے رکیک جملے زبیدہ بیگم کی رگ و پے میں زہر گھول
وہ چند لمحے خاموش رہیں...... پھر گویا ہوئیں۔
اب نوکری ملی ہے اورنگ زیب کو...... کوئی ملازم رکھ ل
گے...... بہن زبیدہ بیگم دلاسا دینے لگیں۔
دو ہزار روپے میں کیا ملازم رکھے گا...... لون تیل ہی ا
نہیں ہو گا۔
زبیدہ بیگم آنکھیں پھاڑے تکے جا رہی تھیں...... وہ عجیب

میں پڑ چکی تھیں کیا کرے...... بیٹا ستارہ کے بغیر رہ نہیں سکتا......
یہ عورت ہم سے اس قدر نفرت کرتی ہے۔ ستارہ آباد ہونے پر
راضی نہیں۔
اچھا بہن...... تم ستارہ کو میرے ساتھ روانہ کرو...... میں
وعدہ کرتی ہوں کہ کام نہیں کرنے دوں گی۔
بیٹے کی خوشی کے لیے اُسے یہ بھی قبول تھا۔
تو اور کون کرے گا۔
کوثر جہاں بولیں۔
کوئی بھی کرے...... بہرحال چولہا نہیں جھونکے گی تمہاری بیٹی۔
زبیدہ بیگم نے انہیں یقین دلایا۔
یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ گھر کا اس قدر کام ہوتا ہے...... ایک
آدمی سے کس طرح ممکن ہے۔ کوثر جہاں اب دوسری جانب پَر مارنے
لگیں۔
بہن تم کام کی فکر نہ کرو...... ہو جائے گا کام بھی...... خدا
کے لیے میرے اُوپر رحم کھاؤ...... میرے بیٹے کا گھر آباد ہی رہنے
دو تو بہتر ہے۔
زبیدہ بیگم زچ ہو کر بڑی عاجزی سے بولیں۔
زبیدہ بیگم نے چند لمحوں کے بعد میاں کریم بخش کی جانب چہرا کرتے
ہوئے کہا...... جو کب سے خاموش بیٹھے تھے۔

وہ صرف مسکرا کر رہ گئے۔
کچھ دیر کمرے میں خوفناک سکوت رہا۔ اور پھر اس سکوت کے طلسم کو میاں کریم بخش کی آواز نے ہی توڑا۔
بہن تم بے فکر رہو .... پرانی رنجشیں بھول کر ہی سکون و قرار کی منزل ملتی ہے۔
ہم کوشش کریں گے کہ ستارہ جانے کے لیے آمادہ ہو جائے .... ویسے بہن تم اورنگ زیب کو بھیجنا۔
میاں کریم بخش بڑے وثوق سے بولے۔
اور دوسرے دن اورنگ زیب کچے دھاگے سے بندھی آئے گی سرکار میری کے مصداق فوراً ستارہ کو لینے آ گئے۔
والدین کے کہنے پر ستارہ اورنگ زیب کے ساتھ گھر واپس لوٹ تو گئی۔ لیکن اس کا دل اس کے ساتھ نہیں گیا۔ رکشے سے اتر کر کچھ فاصلہ پیدل چلتے اورنگ زیب نے بڑی اپنائیت سے ستارہ کو دیکھا
وہ اکھڑی اکھڑی سی لگ رہی تھی۔
ستارہ ....
ہوں ....
وہ آہستہ سے بولی۔
تمہیں اپنے گھر آنے کی خوشی نہیں ہوئی۔
ہاں بہت خوشی ہے۔

ستارہ نے جیسے بات کو سرے سے ہی ختم کر دیا۔
اورنگ زیب اس کے لہجے کی چبھن محسوس کرتے چپ ہو گیا۔
اچانک ہوا کا جھونکا تیز آیا اور ستارہ کا آنچل ڈھلک کر گردن کے گرد لپٹ گیا۔
وہ چونک گیا۔
اس کی خوبصورت گردن پر نہایت ہی خوبصورت لاکٹ جھول رہا تھا۔
چند دنوں کی دیر ہے .... انشاءاللہ تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔
وہ شرمندہ شرمندہ سا کیوں تھا:
ہنہ .... قرض تو اتار دو پہلے .... روز تمہارا دروازہ توڑنے قرض خواہ آجاتے ہیں۔
اس کے جذبات شکن الفاظ اورنگ زیب کے دماغ پر تپتی سلاخ کی طرح اتر گئے اس نے تڑپ کو اندر ہی دفن کر لیا اور ایک دم گھر کی دہلیز پر قدم رکھا
امی جان ...... بہو لے آیا ہوں آپ کی۔
وہ بڑا خوش نظر آرہا تھا۔
زبیدہ بیگم بے قرار آگے بڑھیں .... وہ ستارہ کو گلے لگانا چاہتی تھیں ....
میری بچی ....

زبیدہ بیگم نے باہیں پھیلائیں۔

ستارہ نے پلٹا اور زبیدہ بیگم کے خلوص کو روندتی ہوئی اپنے کمرے کا زینہ چڑھ گئی

زبیدہ بیگم کا دل خون ہوگیا ...... اور خفت زدہ انداز میں باہوں کو سمیٹ لیا۔ امی جان .... ابھی اُس کا غصہ اُترا نہیں.... صبح دیکھئے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوگی۔

اورنگ زیب نے جھوٹ کا سہارہ لے کر ماں کے دِل کو ٹوٹنے سے بچالیا۔

اچھا...... ٹھیک ہے۔

وہ واپس اپنے کمرے میں چل دیں۔

ایک دن۔ دو دن پھر تین دن یونہی گزر گئے۔ بڑے زور سے دروازہ کھُلا .... وہ سائیکل کھٹاک سے اندر لے آیا۔

کیا بات ہے ...... آج تو بڑے خوش نظر آرہے ہو۔

ستارہ اورنگ زیب کے چہرے پر خوشی پھوٹتی دیکھ کر بولی۔

تم بھی خوش ہو جاؤ گی ......

وہ ستارہ کو اپنے ساتھ ہی کمرے میں لے آیا۔

لو ......

۲۰۰۰ ہزار کے نوٹ اورنگ زیب نے ستارہ کی جھولی میں ڈال دیئے۔

یہ تنخواہ ....

ستارہ نے چہرا اُوپر اُٹھایا۔

ہاں .... لے لو .... اِس میں جتنے جی چاہے۔

وہ کتنا خوش تھا ......

۲۰۰۰ ہزار میں سے میں کیا لوں .... تم یہ پیسے ماں کو ے دو ....

وہ بڑی بے دلی سے نوٹوں کو پلنگ کی چادر پر رکھتے بولی۔

وہ یوں ٹوٹ گیا .... جیسے شہاب ثاقب ریزہ ریزہ ہو کر رتی کے کسی ویرانے میں گرنے لگیں۔

تم لے لو نا ...

وہ پھر اصرار کرنے لگا .... کتنا اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ اُس کی بیوی ن سے اپنے اخراجات کے لیے پیسے مانگے .... لیکن سرت اُس کی جی کی جی میں ہی تھی ...... ستارہ کی ضروریات تو اُس ے والدین اچھی طرح پوری کر رہے تھے ... اُسے متعلق شوہر کی ضرورت تھی۔

دُوسرے دن زبیدہ بیگم نے ہی اُٹھ کر ناشتہ تیار کیا۔ اورنگ ب اور زبیدہ بیگم نے ستارہ کے خوف سے خود ہی کام کرلیا۔ وہ ال کا ہاتھ بٹاتا رہا۔ اور وہ لحاف تانے سوتی رہی۔

اماں .... تمھیں کیا فائدہ ہے بہو لانے کا۔

وہ دکھے دل سے بولا۔

کوئی بات نہیں بیٹا... وہ اس گھر کی رونق ہے..... کام کیا ہے۔

ہو ہی جائے گا..... بس وہ خوش رہے۔

زبیدہ بیگم نے چائے بنا کر اورنگ زیب کو دی۔

وہ خاموش رہا....... جواب بھی کیا دیتا.... وہ جب سے آئی تھی۔ اُسے کھویا کھویا اور لاتعلق سا ہی پایا تھا کام کاج تو درکنار وہ زبیدہ بیگم سے بات تک نہ کرتی.........

آج ستارا کو آئے ہوئے تقریباً پندرہ روز ہو گئے تھے۔ اُس نے بالکل جانے کے لیے نہیں کہا...... یا کوئی بہانہ نہ تھا۔ لیکن کوثر جہاں اُداس ہو رہی تھی۔

وہ اِس وقت ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھیں..... درمیان پڑی رکھی سفید میز پر ملازم چائے چھوڑ گیا تھا...... میاں کریم بخش آج صبح سے اپنے کاموں میں مصروف تھے...... کہ اچانک پردہ اُٹھا.....

اور وہ اپنے سامنے ایک وجیہہ وشکیل نوجوان کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

آداب خالہ جان.......

ارے..... شکیل بیٹے..... تم.......

وہ حیرت زدہ سی اُٹھیں اور شکیل کو گلے لگا لیا۔

تم کب آئے پاکستان۔

وہ شکیل کو اپنے قریب ہی بٹھاتے ہوئے بولیں۔

مجھے چند روز ہوئے ہیں آئے ہو.......

فرخندہ کا کیا حال ہے....... وہ نہیں آئی یہاں.......

کوثر جہاں عجیب عجیب نظروں سے شکیل کو دیکھ رہی تھیں....

شکیل اُن کی خالہ زاد بہن کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جب تک یہاں رہیں...... معمولی سے حالات تھے...... جب شوہر نے باہر جانے کی ٹھان لی....... پہلے خود گیا..... جب دولت کما لی تو بیوی اور بیٹے کو بلا لیا.......

میں اکیلا ہی آیا ہوں....... امی نے کہا....... ذرا اپنوں اور غیروں سے مل آؤ۔ شکیل نے کوٹ کو اُتار کر صوفے پر رکھا۔

شریف.......

وہ قریب گزرتے ملازم سے بولیں۔

جی بی بی جی......

شریف قریب آ گیا۔

خانساماں کو کہو...... شکیل میاں آئے ہیں..... چائے کے ساتھ تین چار چیزیں بنا لے.......

وہ مسرت آمیز انداز میں بولیں کیونکہ خانساماں پرانا ملازم تھا....
وہ کوثر جہاں کے اکثر و بیشتر رشتہ داروں کو جانتا تھا۔

جی بہتر......

شریف چل دیا۔

ارے رہنے دیجیے...... وہ بے تکلفی سے صوفے پر
نیم دراز ہو گیا۔

او........ خالہ جان........ آپ کی بیٹی تھی...... سفید سے
.... سنہری بالوں والی...... کیا نام تھا اُس کا......

وہ دماغ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

ستارا........

کوثر جہاں ہنس کر بولیں۔

ہاں ہاں ستارا........ کہاں ہے وہ..........

شکیل کا انداز بھرپور تھا۔

اُس کی شادی کر دی...........

کوثر جہاں مایوسانہ انداز میں بولیں.....

شادی کر دی ستارہ کی........

وہ بھی ڈھیلا پڑ گیا...... نہ جانے اُسے کیوں ستارا کی شاد
کی خبر سُن کر ذہنی کوفت ہوئی تھی۔

اب وہ سسرال میں ہے.......

شکیل نے کہا۔

تو فون کیجیے........ ضرور آئے....... بلکہ بلا لیجیے اُسے۔

وہ بے ساختہ بولا۔

اُن کے فون نہیں۔

وہ غیر ارادی طور پر کہہ گئیں.......... حالانکہ اُن کا ارادہ ایسا
ے کا نہ تھا۔ فون نہیں ہے........... غریب لوگ ہیں۔

شکیل کے منہ سے نادانستہ طور پر ایسے الفاظ نکل آئے۔

ں......

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکیں......

اور شکیل کھڑا ہو گیا........

کہاں چلے.......

میں ستارا سے ملوں گا...... کسی ملازم کو میرے ساتھ بھیجیں۔

ارے بیٹا...... رُکو تو سہی۔

کوثر جہاں نے احتیاطاً اُسے رُوکنا چاہا...... لیکن وہ ڈھیٹ
کنے والا نہ تھا۔

اچھا اچھا........

اور ایک ملازم کو ستارا کے گھر روانہ کر دیا۔

چند سیکنڈ میں گاڑی کھٹ سے ٹوٹے کیواڑ کے سامنے کھڑی

ہو گئی۔

شکیل نے ملازم سے دستک دینے کو کہا۔

شریف نے دستک دی......

اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

چھوٹی بی بی...... آپ سے شکیل صاحب ملنا چاہیے

شریف نے سارا دروازہ کھول دیا۔

شکیل.... کون ————

وہ ابھی حیرت کا اظہار کر ہی رہی تھی کہ شکیل گاڑی سے اتر کر

کے پاس آ گیا۔

پہچاننے کی کوشش کرو...... سنہری بلی......

وہ بچپن میں اُسے ہمیشہ سنہری بلی کہا کرتا تھا.....

ارے ———— تم ———— شکیل.... ا

ہو گئے...... وہ قہقہہ لگاتے اُسے اندر گھسیٹتے بولی۔

نہیں نہیں..... میں یہاں ایک منٹ نہیں ٹھہروں گا.....

توبہ...... یہ گھر ہے تمہارے سسرال کا...... تمہار

اتنا گر چکا تھا...... ان لوگوں سے شادی......

وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا...... اور وہ سر سے پیر

زمین میں گڑھ گئی۔

تمہارا میاں ہے۔

نہیں...... ستارہ کی شوخی چند لمحوں کے لیے غائب ہو گئی۔

اور کون ہے......... تمہارے گھر میں

شکیل نے کہا........

کوئی بھی نہیں ساس ہے...... سو رہی ہیں اس وقت.....

وہ اُداس لہجے میں بولی۔

اچھا...... کھلی چھٹی لو...... اپنی ساس سے......

چلیں........ بعد میں باتیں ہوں گی۔

شکیل نے چٹکی مارتے اُسے اجازت لینے کو کہا۔

اور وہ انکار نہ کر سکی...... شکیل کی بات رد کرنا اُس کے

ہیں نہ تھا۔ ویسے بھی چمکدار چیزوں پر مرتی تھی۔

اپنے کمرے میں جا کر ستارا نے پرس اٹھایا...... اور سیدھی

ں کے کمرے میں آئی......

امی...... میں جا رہی ہوں........

کہاں بیٹی........ اورنگ زیب آنے والا ہے...... تمہیں

ر ناراض ہو گا۔ زبیدہ بیگم پریشان ہو گئیں۔

مجبوری ہے...... امی...... میں نے ضروری جانا ہے۔

شکیل میرا خالہ زاد ہے۔

اچھا......

زبیدہ بیگم نے کہا......

اور وہ بیگ جھولاتی شکیل کے ساتھ آ گئی۔ نہ اجازت لی نہ
نہ دعا۔

تیز رفتاری سے کام لیتے زبیدہ بیگم نے دروازے سے جھانک
وہ گاڑی کی اگلی نشست میں کسی مرد کے ساتھ بیٹھی تھی۔

اُن کا دماغ معوف ہوا جا رہا تھا...... یا الٰہی ......
کوئی نیا گل کھلنے والا ہے۔

گھبرائی گھبرائی سی صحن میں ہی بیٹھ گئیں۔ سوچ و بچار کی تمام
مفقود ہو رہی تھیں۔ اُنہیں سمجھ نہ آ رہی تھی کہ کیا کروں
نہ کروں۔

وہ پریشان پریشان سی بیٹھی تھیں....
کہ اچانک سائیکل کی آواز آئی...... اور اورنگ زیب
ہوا۔

ستارا.......

حسبِ عادت وہ ستارا کو پکارتے بولا۔

بیٹے کے چہرے پر بلا کی محبت سکون اور اطمینان دیکھ کر
کی روح آسمانوں سے ملتی محسوس ہوئی...... کیا کروا
یوں لگا جیسے سانس ابھی قفسِ عنصری سے نکل جائے گا۔

امی ستارا کہاں ہے.....

وہ ماں کے پاس آ گیا۔

کافی دن ہو گئے تھے نا بیٹے...... ماں کو ملنے گئی ہے۔ آ جائے
گی ابھی۔

وہ سادگی سے بولیں...... کہ اورنگ زیب اُداس نہ ہو۔

ملنے گئی ہے...... مجھے بتائے بغیر ہی.......

وہ بولا۔

ہاں بیٹے...... پھر کیا ہے...... تم تو خوامخواہ دِل چھوٹا
کر رہے ہو..... آ جائے گی۔

زبیدہ بیگم اورنگ زیب کے دل سے ستارا کا غم دور کرنا چاہتی
تھیں۔ اُنہیں یہ کہتے ہوئے بھی اچھا نہ لگا کہ وہ تو اپنے کسی خالہ
زاد کے ساتھ بغیر اجازت طلب کئے چلی گئی ہے۔

اُسے تو گئے ہوئے اماں چند دن بھی نہیں ہوئے...... یہ
اتنی جلدی والدین کی محبت جاگ جاتی ہے۔ اِسے...... کیا کروں

اورنگ زیب انتہائی دُکھ سے بولا۔

کوئی بات نہیں بیٹا

اُنہیں کیا معلوم کہ اُن کی بہو شکیل کی دولت مند زندگی کو اپنے کس
قدر قریب دیکھنے گئی ہے۔

لیجئے...... آنٹی...... لے آیا ہوں...... ستارا
کو ——— وہ اندازِ تفاخر سے گردن اکڑا کر بولا۔

اور ستارا ہنس کر قریب بیٹھ گئی۔

تمہیں اجازت دے دی زبیدہ بیگم نے ۔
کیوں یہ غلام ہے سسرال کی ۔
شکیل نے کہا ۔
کوثر جہاں نے حیرت واستعجاب کے عالم میں ستارا کے سراپا کو گھورا
ہاں امی ...... مل ہی گئی ۔
وہ شکیل کی جانب دیکھ کر مسکرا دی ۔
ارے چھوڑیئے خالہ جان ...... ایسے غریب غربے دیکھ کر آ
نے ستارا کی شادی کیوں کی اس کے لیے اچھے لڑکوں کی کمی تھی کیا ۔
شکیل ستارا کے حسن سے پوری طرح مرعوب ہو چکا تھا ۔
تمہیں کیا بتائیں شکیل بیٹا ...... اُس لڑکے نے جعلی دولت
کا اس قدر جال بچھایا کہ ہم لوگ شادی کرنے پر مجبور ہو گئے تھے ۔
کوثر جہاں کے چہرے پر بے نگاہی جھلک رہی تھی ۔
اگر ایسا تھا تو آپ کیوں ستارا کو وہاں بھیج رہے ہیں .....
اس طرح ہم لوگ بے غیرت کہلا سکتے ہیں ۔
شکیل نے جلتی پر تیل ڈالا ۔
ستارا اور کوثر جہاں نے کوئی جواب نہ دیا ۔
شکیل اپنی عادت سے مجبور ستارا کے حسن سے متاثر ہو کر جال
بچھا چکا تھا ۔
اب دیکھنا یہ تھا کہ ستارا اس جال میں پھنستی ہے کہ نہیں ، لیکن ا

سو فیصد یقین تھا کہ وہ ضرور اُس کے جال میں پھنس جائے گی ۔ کیونکہ
ستارہ اُس ماحول میں اپنے آپ کو پر سکون نہ پا رہی تھی ۔
شام پانچ بجے کا عمل ہو گا آسمان کے سینے پر سیاہ بدلیاں تیر
رہی تھیں ۔ ٹھنڈی ٹھنڈی معطر ہوا چل رہی تھی ۔ بہار کی آمد تھی
فروری پورے جوبن کے ساتھ بہار کا مزا لے رہا تھا ۔ گلشن میں
جا بجا پھول ہی پھول کِھلے تھے ۔ کہیں گلاب کہیں بیلے کی کلیاں ۔ کہیں
موگرا ...... ڈھاک پوری شان سے مہک رہا تھا ۔
ایسے میں پاس باغ کے ایک کنج میں خوبصورت کرسیوں پر شکیل اور
ستارہ آمنے سامنے بیٹھے تھے ۔ چائے کا ہلکا پھلکا دور چل رہا تھا ۔
شکیل کبھی کبھار ہلکی اور دلچسپ سی چھیڑ خانی کرتا تو وہ جھینپ سی
جاتی ۔ کتنی لذت تھی شکیل کی چھیڑ میں ...... وہ اورنگ
زیب کا خیال فراموش کر چکی تھی ۔
کاش شکیل ہی اُس کا شوہر ہوتا ۔
اچانک شکیل چونکا ......
ستارا نے بغور دیکھا ۔
کیا ہوا ۔
بارش ...... چلو کمرے میں چلیں ۔
واقعی .....
ستارہ کرسی سے اُٹھی ...... اور اُن سرکش بادلوں کو دیکھنے لگی ۔

جو مشرق سے جھوم کر اُٹھ رہے تھے۔
دونوں اُٹھ کر کمرے میں آگئے۔۔۔۔۔۔۔ یہ کمرا ستارا کا ہی تھا کہ
کی بازی لگ چکی تھی۔۔۔۔۔۔۔ دونوں ایک دُوسرے میں مدغم کھیلے
میں مصروف تھے۔ میں حیران ہوں۔۔۔۔۔۔تم کیسے اُن لوگوں میں زند
بسر کرو گی۔
شکیل نے ستارا کو نفرت دلائی۔
اِس کے لیے میں خود پریشان ہوں۔۔۔۔۔۔زندگی کیسے بسر ہو گی
ستارا نے کہا۔
ڈیئر ستارا۔۔۔۔۔۔ تم کہاں اور وہ کہاں۔۔۔۔۔۔ اور پھر گھ
۔۔۔۔۔اُف اللہ۔
شکیل نے شدید نفرت کے تحت کانوں کو ہاتھ لگایا۔
ستارا بڑی دلربائی سے ہنس دی۔
تمہیں بتایا نا کہ یہ شادی جھوٹ کی بنیاد پر ہوئی تھی۔
ستارا نے کوئین کو خانے میں ڈال دیا۔
جھوٹ۔۔۔۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔۔۔۔
شکیل نے کھیلنے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔
بس۔۔۔۔۔۔اب جی نہیں چاہتا۔
ٹھیک ہے۔
ستارہ نے کہا اور اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

شکیل بھی صوفے پر دراز ہو گیا۔
بارش پھوار سے بڑھ کر موسلا دھار برسنے لگی تھی۔ وہ صوفے
پر بیٹھا کھڑکی سے باہر جھانکتی ستارا کو بغور دیکھ رہا تھا۔۔۔ کتنا
حسن تھا اِس میں۔۔۔۔۔اُس کی بادامی آنکھوں کی جھالریں۔۔۔۔۔۔
جھکتی اُٹھتیں اور پھر جب شرما لجا کر رُخ بدل لیتی تو وہ ساری جان
سے فریفتہ ہو گیا۔
ستارہ۔۔۔۔۔۔
وہ یوں گویا ہوا۔۔۔۔۔۔ جیسے اُس کی آواز کسی بہت ہی گہرے
کنوئیں سے آ رہی ہو۔
ستارہ۔۔۔۔۔
جی۔۔۔۔۔۔
ستارہ نے نظریں جھکا لیں۔
آج سے بہت عرصہ پہلے مجھے تم سے محبت تھی۔۔۔۔۔۔ لیکن
اظہارِ الفت کا سلیقہ نہ تھا مجھے۔
شکیل نے ستارہ کو محبت پاش نظروں سے بغور دیکھا۔
اور ستارہ بُری طرح لرز گئی۔
اب تمہاری محبت کا کیا فائدہ
ستارہ فوراً گویا ہوئی۔
کیوں؟

شکیل چونکا
اب تو میں ———
شادی شدہ ہوں .... یہی کہنے لگی ہو نا ...... ارے پگلی
چھوڑو اِس شادی کو .... جس میں کوئی راحت نہ ہو۔
شکیل نے دونوں ہاتھوں سے ستارہ کے چہرے کو تھام کر اپنے
قریب کرلیا .... اتنا قریب کہ دونوں کی سانسیں ایک ساتھ
ٹکرا گئیں ...... وہ بن پیئے جھوم اٹھا۔ اور ستارہ کی نس نس میں
دولت کا خمار رچ گیا .... اور نگ زیب سے چھٹکارا ......
کس طرح ممکن ہو۔
کئی دن گزر گئے چند دنوں میں ہی شکیل نے بے پناہ محبّت کا جال
بچھا کر ستارا کو اتنا رام کیا کہ وہ اب جانے کا نام ہی نہ لے رہی
تھی۔ ہر روز شاپنگ جو وہ چاہتی تھی .... وہ ہی کچھ ہو رہا تھا شکیل
کے پاس اس قدر دولت تھی کہ وہ ہزاروں کی خریداری کر چکا تھا......
لیکن اُس کے بجٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اس وقت بھی وہ خوبصورت
ٹیوٹا میں سوار شہر کی سیر کو نکل گئے۔
ستارا ....
ہوں ....
وہ آہستہ سے اپنا سر شکیل کے شانے سے لگا کر بولی۔
تم نے میرے بارے میں کیا سوچا۔

شکیل نے موڑ کاٹا۔
میں سمجھی نہیں .....
ستارا نے بغور شکیل کو دیکھا ...... جس کے چہرے پر اطمینانیت
جھلک رہی تھی۔
ارے بھئی ...... اب تم اُس شوہر نا مدار کا ساتھ چھوڑ دو.....
شکیل نے شریر لہجے میں کہا۔
میں کونسا اُس کا نام لے رہی ہوں .... بلکہ اُس کے
ساتھ نبھا کی کوئی صورت نہیں . . .
جیسے وہ خود اس ناطے میں سے دست بردار ہونا چاہتی ہو۔
تو پھر طلاق لے لو۔
کیا ....
دفعتاً اُس کے ہونٹوں سے نکلا۔
ہاں ..... جب تمہارا اُس کے ساتھ گزر ہی نہیں ہو سکتا تو
..... اُس کی مالا گلے میں پہننے کا فائدہ ———
یہ کب میں نے کہا
ستارہ کے من میں لڈو پھوٹنے لگے .... شکیل کا ساتھ پھولوں
کی سیج ہوگی۔
وہ حسین تصورات میں کھو گئی۔
چنانچہ ستارا کا عندیہ معلوم کر کے شکیل ایک دن موقعہ تلاش کر کے

کوثر جہاں کے کمرے میں داخل ہوا۔

آسکتا ہوں خالہ جان

وہ آداب ملحوظ خاطر رکھے ہوئے تھا۔

ارے .... آؤ بیٹا .... بیٹھو بیٹھو ....

وہ شکیل کو صوفے کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود پان بنانے لگیں۔ آپ سے ایک اور بات کرنا تھا۔

شکیل بیٹھتے ہوئے بولا۔ اگر آپ اجازت دیں تو۔

مجھ سے .... کہو .... ایسی کون سی بات ہے بیٹا ...... جس کی اجازت مانگی جا رہی ہے۔

وہ نہال ہو رہی تھیں۔ شکیل جیسا باآداب لڑکا انہوں نے آج تک دیکھا نہ تھا۔

دراصل .... میں ستارا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

شکیل نے بے تکلف کہہ دیا۔

لیکن بیٹا وہ تو

کوثر جہاں کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔

میں سب جانتا ہوں ...... جب وہ اُس کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس کا نام لینا بھی گوارہ نہیں کرتی تو یہ شادی نہیں ..... عذاب ہے ...

شکیل کو جیسے ستارا کا مستقبل عزیز ہو۔

تو بیٹے .... طلاق کے سوا کوئی چارا نہیں

کوثر جہاں نے بڑی سادگی سے کہا۔

تو طلاق لے لیجیے نا .... اُس معصوم کی زندگی حالات کی بھینٹ چڑھ رہی ہے۔

شکیل یوں بولا جیسے نہایت ہمدرد ہو۔

اس کا جواب دینے کے لیے کوثر جہاں خاموش رہیں۔

بہتر ہے بیٹا کہ ستارا کی مرضی معلوم کر لی جائے۔

وہ چند لمحے ٹھہر کر بولیں۔

وہ تو راضی ہے آنٹی ...... وہ اُس مفلس قلاش کے ساتھ گزر بسر نہیں کر سکتی۔

شکیل نے کہا۔

دوسرے دن کوثر جہاں نے میاں کریم بخش سے بات کی۔

وہ پہلے ہی اس معاملے سے دست بردار ہو چکے تھے۔

اگر ستارہ طلاق لینا چاہتی ہے تو ٹھیک ہے ...... یہ تو اُس کی مرضی پر منحصر ہے۔

تو بس ٹھیک ہے وہ اُس کے گھر آباد نہیں ہونا چاہتی۔

کوثر جہاں مطمئن ہو گئیں۔

چنانچہ دوسرے دن ستارا کے ایما پر اورنگ زیب کو ایک خط ارسال کیا گیا جس میں طلاق مانگی گئی تھی ستارا کی جانب سے۔

اگر اورنگ زیب نے طلاق دینے سے انکار کر دیا تو ۔۔۔۔۔۔
ستارا نے شکیل کی پشت سے سر ٹکا کر کہا۔

جانِ من ۔۔۔۔۔۔ عدالت میں دعواہ دائر کر دیں گے ۔۔۔۔۔ کس طرح نہیں دے گا طلاق ۔۔۔۔۔ شکیل نے شدید محبّت سے ستارا کو اپنے قریب کر لیا۔

ہم بہت جلد یہاں سے چلے جائیں گے۔
شکیل نے کہا۔

کہاں؟

ستارا نے عنابی ہونٹ کھولے۔ طلاق کی وہ ایسے منتظر تھی۔ جیسے اُس کو کوئی اعزازی ڈگری ملنے والی ہو۔

ارے پگلی لندن ۔۔۔۔۔۔ ہم وہاں چلے جائیں گے ۔۔۔۔۔ تمہیں کیا معلوم میری ممی کو کتنے ارمان ہیں میری شادی کے ۔۔۔۔۔ تمہیں دیکھ کر تو وہ اور بھی خوش ہوں گے ۔۔۔۔۔

شکیل کی باتیں سن سن کر ستارا جھوم جھوم اُٹھتی تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی کہ شکیل نہایت دولت مند ہونے کے ناطے اِس قدر محبّت بھی کر سکے گا۔ اپنے مقدر کے بدل جانے پر وہ بہت حیران تھی ۔۔۔۔۔۔ وہ کہاں تھی ۔۔۔۔۔۔ اور شکیل اُسے کہاں لے آیا تھا ۔۔۔۔۔ وہ آسمانوں کی بلندیوں پر پرواز کر رہی تھی۔

جہاں ہر طرف روشن مستقبل اُس کے سکون و آرام کی ضمانت ے رہا تھا ۔۔۔۔۔۔ اورنگ زیب کے ساتھ اُسے کیا مل لتا تھا۔ بھوک ننگ اور تہی دستی ۔۔۔۔۔۔۔ جہاں افلاس یاہ ناگ ہر وقت خواہشات و احساسات کو ڈسنے کو تیار رہتا ے۔ غربت کی کڑی دھوپ میں کوئی سایہ دیوار میسر نہیں۔

نہیں ۔۔۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔ میں یہ اذیت برداشت نہیں کر لتی

میں شکیل کی ہوں ۔۔۔ میں شکیل کی ہوں ۔۔۔۔۔۔

وہ دیوانوں کی طرح بھاگی اور شکیل کے کمرے کے بند دروازے ایک دھماکے سے کھول دیا۔

ستارا ۔۔۔۔۔۔

وہ گہری نیند سے ایک دم بیدار ہو گیا ۔۔۔۔ کیا ہُوا ہے تمہیں ۔۔۔۔۔
شکیل نے باہیں کھول دیں ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور وہ اُس کے ینے میں سمو گئی۔

شکیل میں تمہاری ہوں ۔۔۔۔۔۔ میں اُس غربت و افلاس کی بھٹی ہیں جل سکتی۔

معصومیت سے کہے گئے الفاظ شکیل کی کائنات ہلا گئے۔

ہاں ہاں ۔۔۔۔ کون کہتا ہے کہ تم میری نہیں ہو ۔۔۔۔۔
شکیل نے ستارا کو سینے کے ساتھ لگا لیا۔

کوئی خواب دیکھا تھا کیا۔

شکیل دوسرے ہاتھ سے اُس کے رخساروں پر سے لٹکے آ
جھٹکتا ہوا بولا۔

نہیں تو ...... بس یونہی ..... خوف سا آنے لگا۔

وہ مدہوش سی ہوگئی۔ شکیل کی باہوں میں سمٹ کر اُسے یوں
ہوا جیسے ساری کائنات اُس کی مٹھی میں آگئی ہو۔



۵

آج کئی دن ہو گئے تھے۔ میاں کریم بخش کو صاحب فراش ہوئے
.. طبیعت تو اُن کی کئی دنوں سے علیل تھی ...... لیکن آج
وہ ہی کمزور نظر آر ہے تھے۔

دوا سے کچھ افاقہ ہوا تو کوثر جہاں سیدھی بیٹی کے کمرے میں داخل
ہا۔

امی ...... کیا حال ہے ابا کا

ایک دم چونک کر ستارا نے کہا ......

سو رہے ہیں ......

کوثر جہاں سامنے صوفے پر دراز ہو گئیں۔

اس وقت شب کے گیارہ بج رہے تھے۔ ستارا نے ایک زور
جمائی لی۔

شکیل ابھی تک نہیں آیا۔

کوثر جہاں نے کہا۔
معلوم نہیں .... کہہ رہا تھا .... کسی سے پیسے لیے
شاید دیر ہو جائے۔
ستارا نے حیران کن نظریں سامنے کھڑکی میں ڈالیں۔
ستارا بیٹی میں کچھ سوچ کر تمہارے پاس آئی ہوں۔
کوثر جہاں نے بغور ستارا کو دیکھا ....
بیٹی .... اگر اورنگ زیب نے تمہارا جہیز دینے۔
انکار کر دیا تو
کونسا ہے .... زیورات میرے پاس ہیں ...
فرنیچر اور دوسری اشیا اُس نے لینے سے انکار کر دیا تھا ....
دے کر صرف چند جوڑے کپڑے ہیں۔
ستارا نے کہا۔
ہاں .... یہ تو درست ہے .... خیر دیکھا جائیگا
پھر ایک دن ستارا نے اورنگ زیب سے تمام ناطے توڑ
اور علیحدہ ہو گئی .... اورنگ زیب نے ستارا کی تمام
چیزیں جو وہ جہیز میں لائی تھی .... یا بعد میں تمام ایک دا
کے ہمراہ روانہ کر دیں سر کی ایک پن بھی رکھنا اُس نے گوارہ
کیا۔
طلاق کا وصول کرنا تھا۔ اور میاں کریم بخش اِس صدمے کی تا

ئے ہوئے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ عارضہ قلب میں تو وہ
ں مبتلا تھے۔ اب جو بیٹی کا گھر اجڑتے دیکھا تو تاب نہ لا سکے اور
وار میں زندگی اُسے سپرد کر دی۔ چند دن ماحول بڑا اُداس اُداس
ران رہا .... جب غم کے بادل چھٹنے میں نہ آئے۔ تو
ن شکیل نے کوثر جہاں سے کہا۔
نٹی .... کیوں اپنی جان کے در پہ ہیں .... جانے
والے واپس نہیں آتے۔
بر کیجئے۔
ہ کوثر جہاں کے پہلو کے قریب بیٹھ کر دلاسا دینے لگا۔
ثر جہاں کچھ نہیں بولیں۔ بس لب بستہ .... جیسے گویائی
ہو گئی ہو۔
شکیل بھی خاموش رہا۔
چانک ستارا کے آجانے پر کوثر جہاں نے پلٹ کر دیکھا۔ بیٹی
ری پر وہ اس وقت تو پریشان تھیں۔
ھر چند ماہ اسی طرح گزر گئے۔
شکیل اور ستارا کی محبت عروج کی منازل کو چھونے لگی تھی .....
ایک دن کوثر جہاں نے شکیل کو کہا۔
شکیل بیٹے اب تم دونوں کی شادی ہو جانا چاہیے۔
دل نہیں آنٹی .... میں تو خود بھی یہی چاہتا ہوں ......

کوئی اچھا دن دیکھ کر نکاح پڑھ لیں گے۔

ٹھیک ہے۔

پھر ایک دن معمولی رسم منالی گئی .... اور شکیل
ایک ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے .... دونوں ب
تھے۔ ستارا اپنی مرضی کے مطابق جب چاہتی۔ جیسے چاہتی
کرتی۔ شکیل سے اُسے دولت مل گئی تھی۔ وہ دولت میں ک

اس طرح کئی ماہ اور گزر گئے۔

آج کی شام بھی پہلے کی طرح اُداس اور سونی سونی تھی۔ کھ
باہر شہر کی مصروف ترین سڑک کو رواں دواں دیکھ رہی تھ
بھی آج صبح سے رُک رُک کر ہو رہی تھی۔ جو تھمنے کا نام نہیں۔
تھی۔ وہ کبھی اِس ہلکی ہلکی پھوار کو دیکھتی۔ کبھی اُس کی نظر
ٹی وی کی بے حس سکرین سے ٹکرا جاتیں۔

نہ جانے کیوں اُس کے اندر کا سماں ٹھہر سا گیا تھا اُ
کچھ عرصہ پہلے والی زندگی پر جم کر رہ گئیں۔ یادوں کی برف
پگھل رہی تھی۔ جو آرزو کے سمندر میں بدل گئی تھی یا پھر اُ
وجود سمندر بن چکا تھا جو جذبوں کا جوار بھاٹا اُگل رہا
وہ خود اپنی ذات میں ٹکڑے ٹکڑے بن کر بکھر گئی۔

ستارا بیٹی ....

اچانک کوثر جہاں کی آواز پر چونکی۔

جی امی ... . آئیے ... ستارا نے ماں کو اپنے بستر پر بیٹھنے
کہا۔

شکیل ابھی تک نہیں آیا۔

کوثر جہاں نے تشویش ناک انداز میں کہا۔

معلوم نہیں۔

ستارا نے کہا

ارے سنو بیٹی .... ایک سال ہونے کو آیا ہے ....
لانے جانے کا نام نہیں لیا .... کوئی چکر نہ کھیل رہا ہو۔
ے ساتھ کوثر جہاں نے عمر کے تجربے سے بات کہی تھی۔

خدا جانے ——— لیکن چکر کیا۔

ستارا صرف سر اُٹھا کر رہ گئی۔

رات کافی گزر گئی تھی .... وہ ابھی تک نہیں لوٹا تھا ......
تمام شب اُس نے کانٹوں پر بسر کی .... صبح دم پو پھٹنے
پہلے اُس کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوا.....
شکیل ...... تم کہاں تھے اِس وقت تک ..... تمام رات
نے تمہارا انتظار کیا۔

وہ شکوہ کرنے لگی۔

اور جان ... . تمہیں معلوم ہے .... شادی
بعد مصروفیات بڑھ گئیں ہیں کاروبار میں جو پیسہ لگایا تھا......

اُس میں ہمیں لاکھوں کا فائدہ ہوا ......

چند دوست بیٹھے رہے ..... بس بزنس کے معاملے

شکیل نے ایسی چرب زبانی سے ستارا کی سوچ کو بدلا کہ وہ
نہ کہہ سکی۔

اور پھر اکثر ایسا ہی ہوتا ......

ایک دن موقعہ تلاش کر کے .... ستارا نے پوچھ ہی لیا

شکیل ...... ہم باہر کب جائیں گے۔

بس بہت جلد ...... میں خود یہاں سے تنگ آگیا

شکیل سوچ میں پڑ گیا ...... ستارا نے بڑا مشکل سوال کر

پھر چند دِن اسی طرح گزر گئے ...... شکیل کی حرکات و
سے ستارا کو کچھ شک سا ہو چلا تھا ...... وہ گھریلو اخرا
کے لیے رقم دینے سے بھی کتراتا تھا۔

شکیل .... تمہاری گاڑی کدھر ہے ......

وہ اس سوال کے لیے تیار نہ تھا ...... گاڑی ......

کونسی گاڑی ...... وہ ہکلانے لگا۔

ارے ...... وہی گاڑی .... جو چند دن ہو
تمہارے پاس تھی۔

ستارا نے اُس کی یاد کو تیز کیا ......

اچھا .... اوہ .... میں بھول ہی گیا ......

ایک دوست لے گیا .... فارن ٹور پہ ...... واپسی
پر دے دے گا۔

ستارا کے سامنے اُنسے اور کوئی جواب بن نہ پڑا۔

اچھا ...... لمبی چھٹی پر .... اور شاید کبھی واپس نہ
آئے ...... ستارا نے طنز کیا ......

اور وہ تلملا اُٹھا۔

تم بال کی کھال کیوں نکالتی ہو .... مجھے حیرت ہے کہ ......

وہ آگے کچھ کہنے کے لیے رُک گیا ...... ابھی تو شاید اُسے
ستارا سے بڑا کام لینا تھا۔

صاحب ...... باہر کوئی ملنے آیا ہے .....

ملازم کے کہنے پر وہ فوراً اٹھا اور باہر چلا گیا .. .. شاید
جیسے پہلے منتظر ہو ...... شکیل کے جاتے ہی ...... کوثر
جہاں داخل ہوئیں .....

مجھے اس کے لچھن کچھ اچھے نہیں نظر آ رہے۔

کوثر جہاں نے اپنے تجربے کے لحاظ سے بات کہہ دی تھی۔ ویسے
دل تو ستارا کا بھی وسوسوں کی آماجگاہ بن چکا تھا۔

جب تک تمہارا باپ زندہ رہا۔ شکیل کی عادات بہتر نظر آتی تھیں
..... لیکن اُن کے جاتے ہی اس کے چلن میں فرق آگیا۔

ستارا اب بھی خاموش تھی .... وہ حالات کی بھٹی میں بُری

طرح پس رہی تھی۔ یہ اُس کے مقدر کی بات تھی کہ وہ جس کو ہا
لگاتی پتھر بن جاتا........ کہاں اُس نے سوچا تھا کہ وہ جہا
ہاتھ لگائے گی سونا بنے گا...... لیکن یہاں تو معاملہ ہی
اُلٹ ہوا۔

ستارا...... چلو تیار ہو جاؤ...... ہم ابھی اسی وقت جا
ہیں وہ بڑی عجلت میں دکھائی دے رہا تھا۔

کہاں؟......

ستارا بُری طرح چونکی........

ارے بھئی ابھی ہماری شام چھ بجے کی فلائٹ ہے......

شکیل الماری سے اپنے چند ایک جوڑے کپڑے نکالنے لگا۔

باہر جانے کے یہ طریقے ہیں۔

میں زیادہ بکواس نہیں سنوں گا........ تم بس جلدی کر
ابھی پانچ بجے ہیں۔

لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

بیٹا...... چکر کیا ہے........ ابھی تک تو تمہ
کوئی پروگرام نہیں تھا۔

کوثر جہاں کھڑے ہو کر چلائیں۔

بڑی بی...... زیادہ باتیں مت کرو......

ہمارا میاں بیوی کا معاملہ ہے........

شکیل نے فوراً کوثر جہاں کو جھاڑ دیا۔

بس بس........ میں تمہاری باتوں سے دبنے والی نہیں
...... تو میری بیٹی کو کہیں نہیں لے جا سکتا......

کوثر جہاں نے ستارا کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

ارے واہ........ یہی تو سونے کی چڑیا ہے...... میرے لیے......

تو کون ہوتی ہے روکنے والی...... خبردار جو زبان چلائی۔

شکیل نے کمال بے غیرتی سے جیب سے پسٹل نکالا اور کوثر جہاں کی طرف تان دیا۔

ہیں........ تم........ ایسے........ ذلیل......

کوثر جہاں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا........

شکیل میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتی......

ستارا نے کہا...... بلکہ بڑی جرات سے کام لیا۔

خبردار جو ایک لفظ آگے کہا...... چپکے سے تمام زیورات اپنے اور میرے بیگ میں رکھو اور جلدی کرو...... ورنہ ابھی بھون کے رکھ دوں گا۔ موت کی دہشت سے کوثر جہاں ایک کونے میں ساکن کھڑی رہیں اور ستارا تمام نقدی اور زیورات بیگ میں رکھے شکیل کے ساتھ ہولی۔

کوثر جہاں نے اپنا سر پیٹ لیا گیا وقت واپس نہیں آرہا تھا۔۔۔
جب اُنہوں نے اس عیاش پر اندھا اعتماد کیا تھا۔۔۔۔۔ اور پھول سی
بیٹی اس کے حوالے کر دی۔

بیگم صاحبہ۔۔۔۔ منشی جی بُلا رہے ہیں۔۔۔۔۔۔

وہ ملازم کی آواز پر خاموش ہو گئیں۔۔۔۔۔ پُرانا ملازم تھا۔۔۔
بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔

اُسے کہو کل آئے۔۔۔۔۔۔ اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

کوثر جہاں نے کہا۔

بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔ وہ صرف آپ سے زمینوں کے بارے
میں چند باتیں کرنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔۔ کل شاید وہ رقم لینے چلا جا

ملازم نے کہا۔

اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔

کوثر جہاں کمرے کے ملحقہ غسل خانے سے منہ ہاتھ دھو کر اپنی
طرف سے تروتازہ ہو کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں۔۔۔۔۔ لیکن
منشی پرانا سمجھ دار چہرہ شناس تھا۔

کیوں بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔۔۔ نصیب دشمناں۔۔۔۔۔ طبیعت
ناساز ہے کیا۔۔۔۔

نہیں منشی جی۔۔۔۔۔۔ آپ بات کریں۔۔۔۔۔

پُرانا نمک خوار ہوں بیگم صاحبہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مالک کے
چہرے پر معمولی درد کی پرچھائیں دیکھ لوں تو ہرگز ہرگز چین
نہ پاؤں۔

منشی جی نہایت مؤدب انداز میں بولے۔

خوشیاں بھی نصیب سے ملتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بیٹی کی
دُوسری جگہ شادی کی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ لوگ بھی اچھے نہیں
ملے۔

کوثر جہاں نے بات کو مختصر کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔ رُومال سے
آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ اللہ بہتر کرے گا۔۔۔۔۔۔۔ آپ
ملال نہ لائیں۔۔۔۔

منشی جی چند ایک باتیں کرنے کے بعد رُخصت ہو گئے۔۔۔۔۔۔
کیونکہ جب سے میاں کریم بخش کا انتقال ہُوا تھا۔۔۔۔۔۔ زمینوں
کا حساب کتاب کوثر جہاں ہی نبٹانے لگیں تھیں۔

ستارا کیا گئی کہ سارے جہاں کی خوشیاں سمیٹ کرے گئی۔ وہ
تنہا اتنی بڑی حویلی میں گزر بسر کرنے لگیں۔

اُنہوں نے کیا سوچا تھا۔۔۔۔۔۔۔ اور کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔ وہ
بیٹی کے عیش و آرام کی خاطر دولت کے تعاقب میں بھاگیں تھیں
۔۔۔۔۔ لیکن اُنہیں کیا ملا۔۔۔۔۔ بیٹی کا تباہ شدہ مستقبل اور انتہا

ہی ذلت آمیز مقدر۔ وہ کبھی کبھی سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں جاتیں۔ دنیا مافیا سے دور وہ ان جھمیلوں میں حالات کا تانا رہی تھیں.......

اُداس.......

پریشان........

اور ایک کرب ناک حالات سے دوچار۔





میں کہتا ہوں سارا زیور میرے حوالے کر دو ——

کراچی کے ایک بارونق بازار سے بارہ منزلہ عمارت کے پانچویں فلیٹ سے یہ آواز مسلسل آرہی تھی........

نہیں نہیں........نہیں........میں تمہیں زیور نہیں دوں گی........پہلے ہی تم نے میرے ساتھ بڑا فراڈ کھیلا ہے۔

وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی۔

کہاں ہے سوٹ کیس کی چابی

شکیل غرایا........جیسے پاگل کتے غُرغُر کرنے کے بعد کسی آدم زاد کو کاٹ لیں۔ نہیں دوں گی چابی.....وہ سسک سسک کر رو دی۔ تڑپی مچلی۔

وہ چابی جو ہاتھ میں مسل رہی تھی........ہاتھ میں دبائے دروازے

کی طرف بھاگی.......

اچھا یہ کرے گی .... مجھے پولیس کے حوالے کرنے کا اراد
ہے تیرا..... شکیل نے ستارا کو لپک کر ایک ہاتھ سے ہی دبوچ لیا....
اور ہاتھ مروڑ کر چابی چھین لی.......

تُو یہاں سے کہیں نہیں جائے گی....... تجھ سے تو میں نے
بڑے کام لینے ہیں۔

وہ کسی آنے والے حسین وقت کی خوبصورت یاد میں کھو گیا۔

کہاں ہے سوٹ کیس۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

وہ دیوانوں کی طرح سوٹ کیس تلاش کرنے لگا..

مجھے نہیں معلوم

وہ روتی رہی...... بلکتی رہی......... تڑپتی رہی......

پوری کائنات میں ایسا کوئی نہ تھا جو اس شوہر نما بھیڑیئے سے اس
کو بچائے....... اُس نے خود ہی اُس کا انتخاب کیا تھا....

جس دولت کا وہ چکر کھیل رہا تھا وہ ساری پرائی اور لوٹ کا مال تھ
وہ روتی رہی۔

اور وہ سوٹ کیس تلاش کرتا رہا۔

ایک جگہ وہ ٹھٹھکا...... باہر جانے والے دروازے کی پچھلی
طرف سوٹ کیس دیوار کے ساتھ کھڑا کیا ہوا دیکھ کر اُس کی باچھیں کھل اُٹھیں
جھپٹ کر اُس نے سوٹ کیس کو اُٹھایا۔ اور چار پائی پر رکھ دیا۔

اتنا زیور دیکھ کر اُس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

پلک جھپکتے ہی وہ سارا زیور نکال کر باہر والے دروازے کی کنڈی
ھائے۔ زینہ اُتر گیا۔ اور وہ دھڑام سے گری...... پچاس تولے
یور ظالم ہاتھوں میں جاتے دیکھ کر وہ برداشت نہ کر سکی اُس کی
ح کب کی قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہوتی اگر اُس کو ہوش
لایا جاتا.........

وہ خوبصورت بستر پر پڑی تھی اور اُس کے اُوپر ایک ادھیڑ عمر
ت بڑی شفقت آمیز نظروں سے دیکھتی اُس کے اُوپر جھکی ہوئی

میں کہاں ہوں.....

وہ بڑی نقاہت سے بولی...... جیسے آواز اُس کے حلق میں
گئی ہو۔

تم بہت اچھی جگہ پر ہو بیٹی.......... یہ گھر تمہارا ہے....
کی ہر چیز تمہاری ہے۔

عورت مسکرائی.....

یہ میرا گھر...... اور تم.......

ستارا کے ہونٹ لرز اٹھے تھے۔

میں بھی تمہاری طرح عورت ہوں........ بس عورت.......
تم کل بات کہہ سکتی ہو۔

صرف گل بانو.......

عورت کے الفاظ میں نہ جانے سارے زمانے کی محرومیاں
سمٹ آئیں تھیں۔

میں تمہیں اماں کیوں نہیں کہہ سکتی۔

ستارا.... پوری طاقت سے بولی۔

نہیں نہیں.... تم مجھے اماں نہیں کہہ سکتی...... کیونکہ اما
کہلوانے کا مجھے حکم نہیں۔

گل بانو کے چہرے پر زہر خند سی مسکراہٹ تھی۔

ہوں.......

ستارا سمجھ چکی تھی...... کہ معاملہ کیا ہے..... اُسے
کس لیے یہاں اتنا بڑا چکما دے کر لایا ہے......

میرا اس گھر سے کیا واسطہ گل بانو

اُس کی روح زخموں سے چور تھی.... اور آنکھیں اشکبار تھیں
ہونٹ لرزاں...... اور زبان گنگ ہو چکی تھی....

جب شکیل کمرے میں داخل ہوا......... اور ایک لفا
اُس کے سامنے پھینک دیا۔

ستارا نے سوالیہ نظروں سے شکیل کو دیکھا۔

پڑھ لو........

وہ تپتے لوہے کی طرح گرم اور ظالم نظر آ رہا تھا۔

طلاق........

ایک لمحے کے لیے ستارا کی نظر چکرا گئی..... لیکن پھر اُس نے موجودہ
اذیت کو مدِنظر رکھا۔
اور مسکرائی

یہ تو بہت ہی اچھا ہوا...... تم جیسے سفاک ظالم جرائم پیشہ بھیڑیئے
کے ساتھ زندگی بسر کرنا بہت کرب ناک تھا۔

اس کے ساتھ ہی ستارا نے طلاق نامہ ایک طرف پھینک دیا....
جسے گل بانو نے اُٹھا لیا......

تمہیں دولت چاہیئے تھی....... اب تمہیں دولت ملے گی.....
تمہیں شوہر نہیں عیش چاہیئے۔ عیاشی ——————
شکیل ———— چلے جاؤ میرے سامنے سے...... ذلیل
..... کمینے....

وہ خونخوار شیرنی کی طرح چیخ اُٹھی..... اُس کی مٹھیاں جوش
جذبات میں بھنچ گئیں تھیں۔

ستارا....... ہوش کی دوا کرو.........

گل بانو نے اُسے پکڑ کر پلنگ پر بٹھا دیا....

جب یہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے...... تو پھر
کیوں مجھے جلانے آتا ہے۔

ستارا نے گل بانو کو مخاطب کیا۔

ہنہ ....

شکیل سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

اور وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح تکیے پر گری ...... ا

زار و قطار رو دی۔

جس گھر میں ستارا گل بانو کے ساتھ رہ رہی تھی ...... یہ ایک عی
کدہ تھا ...... جو امیر کبیر اور رئیس زادوں کی تشنگی خواہشات ک
تکمیل کرتا تھا ...... ستارا کو اِس عیش کدے میں رہتے ایک ہفتہ
گیا ...... اُس نے دیکھا کہ اس گھر میں اسی حیثیت سے پانچ
لڑکیاں اور بھی رہ رہی تھیں ...... جن کی خدمت کے لیے بھی فرد فر
ایک ایک عورت مامور تھی ...... کھانا سب کا ایک جگہ باورچی پکاتا تھا
...... ایک ہی خوبصورت ہال میں تمام لڑکیاں اور نگران عورتیں
تناول کرتی تھیں ...... سودا سلف لانے کے لیے ایک آدمی مامو
جس کے بشرے پر سے کراہت اور خوفناک ڈراؤنا پن ٹپکتا تھا ا
رخسار پر بڑا سا زخم کا نشان اُس کے چہرے میں اور بھیانک پن پیدا
رہا تھا۔ حویلی کے گیٹ پر ہمہ وقت دو دیو ہیکل چوکیدار پہرے
رہتے ...... جو ہر آنے جانے والے کو قاتل نظروں سے د
اور بلکہ غیر کے اندر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بوقت ضرو
جب کسی کو مدعو کیا جاتا تو باقاعدہ اُس کے ساتھ شکیل یا اس کا با
...... شکیل کی صورت سے اُسے نفرت تھی ...... اُس نے نو

یوں کو اس طرح بلیک میل کرنے کا کاروبار کھول رکھا تھا ......
ئی اُس کے ہاتھ چڑھ جاتی واپس جانے کے قابل نہ رہتی ......
ات کا سیاہ خام اژدھا ہر لمحہ ایک نئی زندگی ہڑپ کرنے کو تیار
تھا۔

گل بانو ......

کمرے میں داخل ہوتے ہی ملازمہ نے کہا۔

کیا ہے۔

گل بانو اِس وقت ستارا کے بال سنوار رہی تھی۔

باہر آؤ ...... آقا تمہیں بُلا رہے ہیں۔

ستارا نے بڑی عجیب عجیب نظروں سے ملازمہ کو دیکھا ......
کا پر اسرار سا رویہ ستارا کی رگ و پے میں زہر گھول گیا۔

اچھا ......

گل بانو پھر ستارا کے بال بنانے لگی۔

گل بانو جاؤ پہلے بات سُن آؤ .... ویسے میں جانتی
...... ضرور کسی گاہک کے آنے کی آمد ہے۔

ملازمہ بغیر جواب دیئے گل بانو کے ساتھ نکل گئی۔ وہ آئینے میں
کس دیکھ کر بری طرح لرز گئی ...... وہ کس کے لیے اتنا سنورتی
...... گاہکوں کے لیے ...... وہ ایک عزت دار گھرانے
لق رکھتی تھی ...... لیکن اب وہ ایک طوائف سے بھی بدتر زندگی

گذار رہی تھی ان دو مہینوں میں نہ جانے کتنی بار اُس کی عصمت ـ کھیلا گیا تھا، وہ خاموش لٹتی جا رہی تھی۔ نوٹوں کی تہہ اُس کے قدمو تلے چرمر ہو کر اپنی قدر و قیمت بڑھا رہی تھی...... اور اُس کے احسا جذبات کی قدر و قیمت گھٹتی جا رہی تھی۔ اُس نے دولت کی تلاش کی دولت آج اُس کی لونڈی ہے۔ لیکن اُس کا سکون برباد ہو چکا تـ اُسے کچھ نظر نہیں آتا۔ اُس کا ذہن پھٹنے لگا تھا۔ ڈراؤنے خواب خوفناک سائے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔ وہ چت لیٹ گئی سینے پر کھینچ لیا۔

اور سانس کے تار سکیوں میں ڈوب گئے..........!

اُس نے محسوس کیا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ یہ آنسو تو اُسے زیب دیتے ہیں جو کسی کا ہو رہتا ہے...... لیکن میرا تو کوئی نہ میں نے خود اپنوں سے منہ پھیرا ہے۔ ہر رات ایک نیا مہمان آتا مجھ سے کھلونے کی طرح جی بہلاتا ہے اور چلا جاتا ہے۔ مَیں جام ہوں جو کتنے ہی ہاتھوں میں گردش کرتا ہوں۔ ایک خودر ہوں جسے ہر راہ گیر بڑھ کر توڑ لیتا ہے۔ کھلے میدان کا سایہ د درخت ہوں جس کے تلے ہر مسافر سستا لیتا ہے سرِ راہ جھرنا ہوں جس سے ہر پیاسا اپنی پیاس بجھاتا ہے۔ تختہ ہ جس پر ہر باشعور اور بے شعور آدمی اپنی مرضی کے الفاظ لکھ مٹاتا ہے۔

وہ ساز ہوں جسے بجانے پر کوئی پابندی نہیں۔ ہر کسی کو مجھے دیکھنے چھونے کی آزادی ہے ہر کوئی مجھ سے ہمکلام ہو سکتا ہے۔

میں دل کے پٹ بند کیئے گھر کا دروازہ کھولے ہر آنے والے راہ دیکھتی ہوں۔ اپنی رُوح کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر ہر دیکھنے والے سامنے سکراتی ہوں...... میری خواہش بے زبانی کا لبادہ اوڑھے ردوں کی خواہشوں کا استقبال کرتی ہے۔ میرے بند کمرے میں م ہر طور کے انسان اپنے ارمانوں کے دیپ جلاتے ہیں تنہائی ہوار میں اپنی آرزؤں کو نہلاتے ہیں۔ میری سپردگی کی مہک سے ر ہوتے ہیں۔ میرا حسن اُن کے ذہن کے تاروں میں زیر و بم کرتا ہے۔

ہیجان پیدا کرتا ہے۔ کچھ لوگ قسم کھاتے ہیں۔ کہ میرا کوئی ثانی نہیں۔ کوئی شاعر آنکلتا ہے تو میرے جمال سے اس پر شعروں کی آمد نے لگتی ہے۔ ادیب کو مجھ پر ترس آتا ہے تو میری ذات میں اُسے کتابوں کے لیئے پلاٹ ملتا ہے۔

مصور میرے چہرے کے نقوش سے ایک شاہکار تخلیق کرنے بد کرتا ہے۔ سنگ تراش مجھے سامنے بٹھا کر مرمریں مجسمہ بناتا تا ہے۔ موسیقار مجھے عزت ناہید کہتے ہیں صنعت کار مجھے اپنی نوعات کے لیے ماڈل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

اور شراب کے نشے میں کوئی احمق مجھے عورت کی حیثیت سے قبول کرتا

ہے۔ یہی قدر مشترکہ ہے سب مردوں میں۔ لیکن انداز جُدا جُدا
ہیں۔

ستارا بی بی.......

وہ بُری طرح ہڑبڑا گئی....... ....آنسو بہ بہ کر اُس کے گال
کو بھگو چکے تھے۔

کیا ہے.......؟

وہ ایک دم سے گل بانو کو دیکھ کر بولی۔

آج رات شہر کے بڑے رئیس آ رہے ہیں۔ تمہیں دیکھنے کے
لیئے......

یقین جانو....... چھوٹے مالک کو اُنہوں نے ایک لاکھ کا چیک
دیا ہے۔

گل بانو کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

ہوں........ یہ کوئی نئی بات نہیں........

وہ ٹھنڈی آہ کے ساتھ سسک اُٹھی.....آنسوؤں کا سیلاب
اُس کی آنکھوں سے پھوٹ پڑا.......

مت رو........ بیٹی.......

گل بانو نے ستارا کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

مت کہو مجھے بیٹی....... اگر تمہاری کوئی بیٹی ہوتی تو یہی
کرواتی.......

بولو.......جواب دو.......

ستارا زخمی ناگن کی طرح پھنکاری.....کہ گل بانو کے جسم کی عمارت
لرز اُٹھی۔

لیکن یہ تھرتھراہٹ ضمیر کے سچ بولنے کی ہرگز نہ تھی.......بلکہ
ستارا کے الفاظ میں اتنا جوش اور بے تابیت و اضطرابیت تھی کہ
وہ کانپ اُٹھی.......

جاؤ کہہ دو اُس کمینے چھوٹے مالک سے ... نہیں ملوں گی میں اُس
رئیس زادے سے....... وہ شاید بغاوت پر اُتر آئی تھی۔

بی بی....... ایسا نہ کہو....... وہ عتاب نازل ہوگا.......
کہ.....گل بانو سہم گئی۔

اس عتاب سے زیادہ اور کوئی عتاب نہیں ہو سکتا گل بانو.....
جس کرب سے میں گزر رہی ہوں ....تم کیا جانو......

قریب پڑے رومال سے اُس نے چہرا صاف کیا.......مسلسل
رونے سے انکھیں متورم سی ہوگئیں تھیں۔

نہ آنکھیں خراب کرو.......آؤ منہ دھولو.....

گل بانو نے چمکارا۔

نہیں دھوتی میں منہ.......

وہ بھی آج تن سی گئی۔

یہ تم کیا کہہ رہی ہو.......تمہیں سب معلوم ہے کہ یہاں انکار کی

کیا سزا ہے۔

گل بانو نے شکیل یا اُس کے بڑے باس کی عادت یاد دلائی۔

سب معلوم ہے .... میں اب کہیں نہیں جاؤں گی .....
اور نہ کسی سیٹھ کی رات جگمگاؤں گی۔

عین اِس وقت شکیل کمرے میں داخل ہوا۔

گل بانو .... ابھی یہ تیار نہیں ہوئی ......

شکیل کو دیکھ کر ستارا کی رہی سہی طاقت بھی جواب دے گئی ....

دور ہو جا کمینے .... بدمعاش .... ورنہ تیرا سر پھوڑ دوں گی۔

اِس کے ساتھ ہی ستارا نے قریب کی میز سے پیتل کا بھاری گلدان اُٹھایا ....

ارے ارے .... کیا کر رہی ہو .... لڑکی ....

گل بانو نے بڑی مشکل سے گل دان ستارا کے ہاتھ سے چھینا
شکیل گل بانو کو مخصوص قسم کا اشارہ کر کے کمرے سے نکل گیا۔

وہ تکیے میں منہ دیئے روتی رہی ..... تقدیر کی سیاہی بھلا بھی دھوئی جا سکتی ہے۔

وہ سسکتی رہی تڑپتی رہی .... لیکن کوئی اُس کے حسرتوں کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لیئے نہ آیا ......

گل بانو نے اُسے حسبِ معمول دلہن کی طرح سجا دیا تھا ...... وہ

کی گڑیا بنی گل بانو کی مرضی کے مطابق سجتی رہی بنتی رہی اور وقت مقررہ پر گل بانو اُسے سہارا دے کر عیش کدہ کے خوبصورت کمرے میں لے گئی ..... جہاں زرق برق چاندنی بچھی تھی ...... اور ایک ادھیڑ عمر کا شخص جسے شکیل سیٹھ صاحب کہہ کر مخاطب کر رہا تھا بیٹھے گپ شپ میں مصروف تھے۔

سیٹھ سلطان اچانک اِس قدر جمال دیکھ کر چونک گیا .... جیسے ہزاروں روشنیوں سے آنکھیں چندیا جائیں۔

سیٹھ جی جرا چھوری منہ زور ہے .... گھبرائیے گا نہیں۔

بڑے باس نے سیٹھ سلطان کا بازو دبایا۔

ارے تم چکر ہی نہ کرو .... یہ لو اور رقم .... مال اچھا ہے۔

سیٹھ سلطان نے نوٹوں کی ایک اور گڈی شکیل کے قدموں میں پھینک دی۔

بھوکے کتوں کی طرح شکیل نے فوراً جھک کر اُٹھا لیا .... اور کمرے سے نکل گئے۔

وہ سامنے خوبصورت مسند پہ آدھی بیٹھی اور آدھی لیٹی تھی .....
حُسن سوگوار تھا۔ سیٹھ اُٹھ کر اُس کے قریب چلا گیا۔

شراب کی بُو سے اُسے اُبکائی سی آنے لگی ..... نفرت سے ستارا نے منہ پھیر لیا۔

آداب سیٹھ جی.....

ستارا نے رُخ سے نقاب ہٹا کر طنزیہ انداز میں کہا۔

ارے واہ...... تم تو بہت سمجھ دار ہو.......

سیٹھ ہنس دیا........ پان سے رنگے دانت اُس کی ہیئت (
اور بگاڑ رہے تھے۔

ایک بات تو بتائیے سیٹھ جی....

وہ بولی۔

کہو میری جان ...... لیکن ذرا جلدی......

سیٹھ بڑا مضطرب نظر آ رہا تھا۔

بات بڑی معمولی ہے .... میری جیسی آپ کی کوئی بیٹی بھی
گی......

ستارا نے زبردست چوٹ کی۔

کیا بکواس کرتی ہے۔

سیٹھ تلملا اُٹھا۔

اچھا.... جی...... جب اپنے گھر کو آگ لگی تو طیش آ گیا۔

وہ بڑے نڈر انداز سے بول رہی تھی........ نہ جانے
اُس میں اُتنی جرأت کہاں سے آ گئی تھی۔

دوسرے ہی لمحے سیٹھ نے اپنی گفتگو کا رُخ تبدیل کر لیا۔

چلو چھوڑو........ ایسی باتیں نہیں کرتے...... میں اتنی

سے صرف تمہاری وجہ سے آیا ہوں....

سیٹھ نے ستارا کو قریب کرنا چاہا۔

پرے ہٹیئے .... خبردار جو میرے قریب ایک قدم بھی
بڑھایا.......

ستارا نے بُری طرح سیٹھ کا ہاتھ جھٹک دیا۔

اوہو......... یہ بات ہے ...... اس کا مطلب کہ گھی سیدھی
انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔

اس کے ساتھ ہی سیٹھ اس کی طرف جھپٹا...... اور کمزور بلبل
پھڑ پھڑا اُٹھی باز نے اپنے پنجوں میں دبوچا اور اُس کے پر کاٹ
دیئے......... وہ بے حس و حرکت پلنگ پر پڑی تھی.........
بدن نکاہت سے چور چور تھا...... سنگھار اجڑ چکا تھا.... کاجل
پھیل گیا۔

اور چاندی پھیکی پڑ گئی۔

میں نے تمہاری اس انمول جوانی کے ایک لاکھ روپے دیئے
ہیں......

سیٹھ غرایا........ اور سر پر ٹوپی پہنے کال بیل پہ ہاتھ رکھ
دیا۔

اس کے ساتھ ہی گل بانو اندر داخل ہوئی۔

آداب سیٹھ جی......

ہوں ...... یہ تمہاری تحویل میں ہے ۔

جی ہاں ......

گل بانو خوفزدہ سی نظر آ رہی تھی۔

بہت گستاخ ہے ۔

سیٹھ غصّے سے بولا۔

ستارا آہستہ سے اُٹھی اور نفرت سے سیٹھ کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

کمینے ذلیل ...... خدا کرے تیری بھی کوئی بیٹی تیرے جیسے سیٹھ سے عزت کا سودا کرے اور تو سامنے دیکھے۔

بی بی ...... کیا کرتی ہو ......

گل بانو نے ستارا کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

چل دفعان ہو ...... تو بھی دولت کی خاطر یہی کچھ کرتی ہے۔

ہنہ ......

ستارا نے انتہا ہی نفرت و کراہت سے سیٹھ کو دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

بستر پر گری وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی ...... آج اورنگزیب کی بے لوث محبّت اُسے یاد آئی ......

تم نے دولت کو چاہا تھا ستارا ...... لے لی دولت ...... دولت والے پیار نہیں دیتے ...... لیکن تجھے پیار نہیں ...... عیش چاہیے تھا۔

وہ مچل اُٹھی۔

اُس کے اندر کی ستارا بول اُٹھی ...... ضمیر کی آواز کو وہ کس طرح دباتی۔

ہر کروٹ اُس کا ضمیر اُسے کچوکے لگا رہا تھا۔ وہ تڑپی مچلی لیکن اِس عذاب سے نجات نہ حاصل کر سکی۔

یوں ہی کئی روز گزر گئے ......

وہ بستر پر پڑی تھی ...... رُسوا میں اُس کی مانگ بڑھ رہی تھی ....

جو بھی آتا ستارا کا ہی سوال کرتا ...... دُوسری لڑکیوں کو کوئی پوچھتا تک نہیں تھا۔

لیکن جب سے سیٹھ سلطان کے ساتھ ایسا واقعہ رو پذیر ہوا تھا۔ وہ انتہا ہی بددل ہو گئی تھی ...... اُسے ایک ہی دھُن سوار تھی کہ یہاں سے کسی طرح نکل جائے۔ لیکن اُس کے پر کٹے ہوئے تھے ...... صیاد نے چاروں جانب تیلیاں فٹ کروا دی تھیں۔

وہ اُڑے تو کیسے اُڑے

ستارا بی بی ...

گل بانو نے اُس کے ہاتھ سے گلاس پکڑ لیا۔

ہوں ......

وہ بے سدھ سی لیٹ گئی۔

اب کیسی طبیعت ہے ۔

گل بانو اُس کے اُوپر جُھک گئی۔

ٹھیک ہوں.....

وہ کمزور نحیف سی آواز کے ساتھ بولی۔

ٹھیک نہیں ہو تم .... میں جاتی ہوں۔ ابھی فون کرتی ہوں زمان کو......

ڈاکٹر زمان ان کا اپنا ڈاکٹر تھا....... جس کا مطب ان کی وجہ سے چل رہا تھا۔

کوئی ضرورت نہیں.....

وہ تن کر بولی۔

اور عین اِس وقت شکیل اور بڑا باس داخل ہوا۔

کیا حال ہے اب اس کا۔

بڑے باس نے کہا۔

گل بانو فوراً کھڑی ہو گئی...... مجھے تو کوئی آفاقہ نظر نہیں

ستارا لیٹے لیٹے دونوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔

شکیل اور بڑے باس کی صورت کس قدر مکروہ نظر آ رہی تھی

اس کی بیماری سے بڑا نقصان ہو رہا ہے۔

باس نے کہا۔

اب گل بانو اِس کا کیا حال ہے۔

شکیل نے گل بانو کو مخاطب کیا۔

کچھ معلوم نہیں ...... چھوٹے مالک ہے...... پل پل کا حساب ہے یہاں تو گل بانو نے چور نظریں ستارا پر ڈالیں........ جو آنکھیں بند کئے شکیل کی جانب سے منہ پھیرے پڑی تھی۔

تو پھر کسی دوسری لڑکی کو تیار کر لیں۔

بڑے باس نے کہا۔

جیسے آپ چاہیں

چنانچہ کسی دوسری لڑکی کو تیار کیا گیا۔ لیکن وہ بات نہ بن سکی۔ جو ستارا کے حسن و جمال سے بنتی تھی۔

دوسرے دِن آفس میں بڑے باس نے شکیل کو طلب کر لیا۔

شکیل..... باس نے کرسی گھمائی۔

YES SIR

شکیل مؤدب بولا۔

تمہیں معلوم ہے۔

باس کی پیشانی پہ لاکھوں سلوٹیں تھیں۔

کیا سر.....

شکیل بھنچ سا گیا۔

یہ لڑکی کوئی مصیبت نہ کھڑی کر دے۔ اُس کا اشارہ ستارا کی طرف تھا۔ باس نے اپنا تجربہ دوہرایا۔

نہیں صاحب ...... بے فکر رہیے........ ستارا کمزور

سی لڑکی ہے۔

شکیل کو پوری طرح اعتماد تھا......... وہ کچھ نہیں کر سکتی۔

عورت کو کمزور مت سمجھو۔ اور پھر ستارا .... جس
آنکھوں میں زخمی ناگن کے اضطراب کا زہر ہے.......
وہ پھنکارتی ہے تو سمندر کی روانی رُک جاتی ہے طوفان تھم
ہے.......... تمہیں کس طرح یقین ہے کہ وہ کمزو
ہے۔

باس نے گہری بات کہہ دی تھی۔

لیکن شکیل خاموش رہا۔

باس کی گرج دار آواز اور اُس کی تلخ کڑواہٹ شکیل کے اند
تک اُتر گئی۔

اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ ستارا کی وجہ سے ہمارا اکسر
قدر نقصان ہُوا ہے۔

YES SIR

کیا NO SIR YES SIR کی بکواس لگا رکھی ہے........ تمہیں
اس نقصان کی تلافی کرنا ہو گی۔

باس بھوکے گیدڑ کی طرح بھبک رہا تھا اور شکیل چور بنا سد
کچھ سن رہا تھا۔ تمہیں معلوم ہے...... اُس رات ہمیں دو لاکھ
مل رہا تھا........ لیکن کسی دوسری لڑکی کو دیکھ کر علاؤالدین نے

ہزار پھینک دیئے اور خود چلا گیا۔ باس کے الفاظ شکست
چیتے کی طرح تھے....... جو اپنا شکار سامنے پاکر کسی وجہ
مُردہ ہرن کا گوشت کھانے پر اکتفا کرے۔

شکیل کی گردن جھک گئی تھی.......

یہ لو....... اور ستارا کو آمادہ کرو آئندہ کے لیے.........

نے بریف کیس کھولا اور ۲۰ ہزار کے نوٹ گڈی کی صورت میں
ل کی طرف اچھال دیئے۔

شکیل نے یوں ہاتھ ہوا میں اچھالے......... جیسے بھوکے
گوشت کو دبوچنے کے لیے منہ کھول دیں۔

رقم لے کر وہ دروازے کی جانب پلٹا.......

سُنو.....

باس نے پُشت کی جانب سے پکارا۔

وہ واپس ہُوا۔ نظروں میں سوال تھا۔

یہ کام ہو جانا چاہیئے......

باس نے پھر یاد دہانی کروائی.....

میری کوشش پوری ہو گی سر.......

وہ مؤدب جھکا اور دروازے سے نکل گیا۔

شکیل کے جاتے ہی باس نے کال بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

گھنٹی کی آواز پر فوراً دو شخص دیوہیکل ہاتھوں میں پسٹل پکڑے

قریب آئے۔
شکیل کی نقل و حرکت پر پوری توجہ رکھنا ...... ہو سکتا ہے
بھاگنے کی کوشش کرے۔
باس نے کہا۔
فکر ہی نہ کرو صاحب ..... ہم سے بچ کر کوئی جا سکتا ہے۔
دونوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ اور واپس چلے گئے۔





گل بانو ......
بستر استراحت پر لیٹے لیٹے ستارا نے گل بانو سے کہا۔
کیا بات ہے۔
گل بانو کو بھی آمدنی کم ہوتی نظر آ رہی تھی۔
تم میری رہائی کا بندوبست کر دو۔
کتنی التجا۔ کرب عاجزی اور مجبوری تھی اُس کے الفاظ میں۔
کیسی رہائی۔
گل بانو کا انداز کرخت ہو گیا۔
یہی ...... یہاں سے مجھے کہیں اور ______
وہ پھر دُکھ بھرے انداز میں بولی۔
نہیں یہاں سے کہیں اور لے چلوں ...... لڑکی مجھے بھی اپنے
تو مروانا چاہتی ہے۔

گل بانو خوف زدہ سی ہو گئی۔
تمہیں کیا ہو گا ...... کیا تمہیں بھی یہاں کی قید سے رہائی کو
نہیں دلا سکتا۔
ستارا حیرت زدہ تھی ...... اُس کے زرد چہرے پر نقاہت اا
کھنڈ آئی تھی۔ رہائی کی بات کرتی ہے لڑکی ...... بلکہ میں تو ما
کی اجازت کے بغیر اس حویلی سے باہر جھانک بھی نہیں سکتی۔
گل بانو نے آنکھیں پھاڑیں۔
اچھا ......
ستارا کے لیے یہ لمحہ اور بھی تکلیف دہ تھا۔ ایک گل بانو کا ہی س
تھا وہ بھی پلہ چھڑا رہی تھی ...... آخر کیوں نہ ہوتا ......
اُس کے منہ کو بھی خون لگ چکا تھا۔ بغیر کسی محنتِ شاقہ کے وہ
میں کھیل رہی تھی۔
ستارا نے چہرہ دوسری طرف کر لیا۔
اور گل بانو گہری سوچ میں اُتر گئی۔
آخر تم مجھ سے پیچھا کیوں چھڑا رہی ہو ...... میں تمہاری
کے برابر ہوں ...... تمہیں رحم نہیں آتا مجھ پر ......
ستارا نے ایک دم بستر سے اُٹھتے ہوئے جیسے درخواس
کی۔
کتنا درد تھا اُس کی التجا میں ...... گل بانو ...... خدا

لیے مجھے اس عذاب سے چھٹکارا دلا دو ...... میں تمہیں دولت تو
ہیں دے سکتی ...... لیکن تمہیں دعا دوں گی ......
ستارا نے گڑگڑاتے ہوئے گل بانو کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔
وہو ...... ستارہ ...... ایسا نہ کرو ...... میں مجبور ہوں ...
یں مجبور ہوں۔
گل بانو نے ندامت بھرے انداز میں منہ پھیر لیا۔
عین اس وقت باس کا خاص ملازم کمرے میں داخل ہوا ......
ستارہ بی بی ......
ستارہ جھکا سر اُٹھا کر سسک اُٹھی۔
آؤ ...... شیر زمان ...... کوئی اور نشتر لے کر آئے ہو ......
میری روح کے آر پار ہو جائے ......
آپ کو باس بلا رہا ہے
شیر زمان نے حسبِ عادت جھکے سر کو اُوپر اُٹھایا۔
لیکن میں تو بیمار ہوں۔
ستارا نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔ اُس کے چہرے کی سفیدی زبردست
ہراہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔
معلوم ہے ...... لیکن باس کی بات سننے میں کوئی مضائقہ
یں۔
شیر زمان نے حسبِ عادت نظریں اُٹھائیں اور پھر جھکا لیں ......

...... واقعی ستارا بہت کمزور ہو چکی ہے۔

شیر زمان دل سے بولا۔

ٹھیک ہے۔

وہ بستر سے اُٹھی....... اور بجھے بجھے انداز کے ساتھ وہ زمان کے ساتھ چل دی جیسے کوئی زنگی رضیہ سلطانہ کو بچانے کے لیے تختہ دار پر چڑھ جائے۔

ستارا حاضر ہے جناب۔

شیر زمان ستارا کو کمرے کے باہر روک کر خود اندر چلا گیا۔

لے آؤ اُسے۔

باس فوراً بولا...... جیسے وہ ستارا کا ہی منتظر ہو۔

شیر زمان باہر گیا اور ستارا کو لے آیا۔

آداب.......

ستارا نے عیش کدے کے رواج کے مطابق باس کو مؤدب کیا...... اور ایک طرف لرزتی کانپتی کھڑی ہو گئی۔ بخار کی نقاہی اس قدر تھی۔

ہوں...... ستارا....... بیمار ہو....... بیٹھو۔

باس نے بغور ستارا کو دیکھا اور سامنے کرسی کی طرف اشارہ

شکریہ.......

ستارہ بیٹھتے ہوئے بولی۔

ہمارے پُرانے ملنے والے ہیں جاگیردار چوہدری نیامت.......
ابھی ابھی چند دن ہوئے اُن کی بیوی کا انتقال ہوا ہے........

جی.......

وہ ایک دم سے چونکی...... اُسے باس کے انداز سے اگلی بات کا پوری طرح علم ہو چکا تھا۔ کسی اور لڑکی کا بندوبست کریں جناب آخر میرے علاوہ وہ کس کام کی ہیں۔ ستارا بے ساختہ بولی۔ سینہ غم سے بیٹھا جا رہا تھا...... وہ ستارا جسے کبھی انہوں نے جی بھر کے نہیں دیکھا تھا...... اورنگ زیب اُسے دروازے سے باہر جھانکنے نہیں دیتا تھا۔

میری جان اس صورت پہ کون نہیں مر سکتا...... یوں دوپٹے کی اوٹ سے نہ جھانکا کرو۔ اس کے ساتھ اورنگ زیب اُس کی روشن بے داغ پیشانی کو چوم لیتا۔

اور وہ بڑی بے اعتنائی سے پہلو بچا لیتی.... کیا ہے تیرے پاس...... کوئی ہے سکون...... نہ گاڑی نہ خوبصورت گھر۔ نہ نوکر چاکر...... ۱۵۰۰/- سو روپے میں تو آٹا بھی پورا نہیں ہوتا تیرے گھر کا.......

اور اورنگ زیب میٹھی نظر سے دیکھتا رہ جاتا........

گزرے ہوئے حسین زمانے کا لہراتا ہوا سیاہ ناگ اُس کے سینے کو ڈس لیتا...... وہ کیا تھی اور آج دولت کی ہوس نے اُسے کیا بنا

دیا۔ وہ چراغ خانہ تھی۔ شمع محفل بن گئی ...... ایسا پھول جس پر
بھنورا بیٹھتا ...... اپنی پیاس بجھاتا اور اڑ جاتا ...... ایسا جام ج
ہر خاص و عام کو ہونٹوں سے لگانے کی اجازت تھی۔
بہت دیر گزر جانے کے بعد جب وہ سوچوں کے اتھاہ سمندر
ڈوبتی چلی گئی تو باس ایک دم سے چونک گیا۔
کیا سوچ رہی ہو .... ستارہ .... تمہارا علاج
جاری ہے ....
ٹھیک ہے اور لڑکیاں بھی ہیں ...... لیکن تیری بڑی اہمیت
ہے۔ ہر آنے والا پہلے تمہارا طلب گار ہوتا ہے ......
لیکن میں ایک عرصے سے ہزاروں راتیں یکے بعد دیگرے گزار
چلی آ رہی ہوں .... آپ لوگوں کو میری صحت کا بھی خیال رکھ
چاہیئے۔
نہ جانے ستارا کے لہجے میں فرعونیت کہاں سے عود آئی۔ آج
سے کسی قسم کا اُس نے خوف محسوس نہیں کیا۔
باس بے ساختہ اچھلا ......
تمہاری زبان بہت بڑھ گئی ہے .... جو یہاں ناقابل
ہے۔ اگر اپنی عزت .... معاً باس کچھ اور کہتا .... وہ
دم کھڑی ہو گئی ....
عزت .... ہنہہ

اس لفظ کے ساتھ ہی ستارا کا ہذیانی قہقہہ وسیع و عریض کمرے
گونج اُٹھا۔
عزت کہاں ہے .... جس کے لٹنے کا غم ہو ....
تاع تو ہم ایک عرصہ ہوا گنوا بیٹھے ....
اپنے تراشیدہ بالوں کی آوارہ لٹ کر اُس نے سنوارہ
ستارا ....
باس چیخا .....
اس کے ساتھ ہی ارد گرد سے باس کے محافظ ستارا کو
ے میں لے کر کھڑے ہو گئے۔
کتنے احمق ہو تم لوگ .... میں تمہارے باس کا کیا بگاڑ
تا ہوں۔
وہ کس قدر مطمئن تھی۔
ہاں ہاں .... جاؤ تم ....
باس کے اشارہ پر محافظ چل دیئے۔
اور وہ ہانپتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی۔
تمہیں ایک دو دن سوچنے کے لیے اور دیتا ہوں ...... تم
کر لو۔
باس نے سگار کا ایک لمبا کش لیا ...... اُس کا دھواں چاروں
ب چھوڑتا ہوا وہ عجیب قسم کے گھٹیا انداز میں ستارا کی جانب

جُھکا۔

ٹھیک ہے۔

بے ساختہ نفرت سے ستارا کھڑی ہوگئی .... جیسے ا
اُس دولت مند شخص سے مرے ہوئے کتوں کی سی بدبو آ
ہو ...... نوٹوں کی خوشبو نے اِس کے احساسات و جذبا
عریانی میں ڈھال دیا تھا۔ کسی عمر کی عورت کے لیے بھی اُس
انداز میں شرافت نہ نظر آتی تھی۔ برہنہ لین دین نے اُس کی
میں گدِھوں جیسی چمک بھر دی تھی .... جو دور
مُردار دیکھ کر فوراً جھپٹنے پر آمادہ ہو جائیں۔ یا گندی سڑاند
اُس کا دماغ پھٹ جائے۔

وہ دو قدم چل دی لیکن چکرا کر گرتے گرتے بچی۔ اگر شیر
اُس کو نہ تھام لیتا۔ تو قریبی سنگِ مرمر کے خوبصورت و
مجسمے سے ٹکرا کر وہ پاش پاش ہو جاتی۔

لے جاؤ شیر زمان ......

باس نے سہارا دینے کو کہا۔

اور وہ شیر زمان کے بازوؤں کے سہارے اپنے کمر
آئی۔ شام کے دھندلکے پھیل چکے تھے ...... تمام لڑکیا
اپنے وقت کے مطابق رات بسر کرنے کے لیے تیار ہو ر
دن کے علاوہ رات کو عشق کدے کی حسین ترین رات ہ

ب کو دن کا گمان ہوتا ہے۔
وسیع غلام گردش کو عبور کرتے دفعتاً شیر زمان نے ستارا کا ہاتھ
لیا۔ ابھی وہ پاگل شیرنی کی طرح بپھر کر پلٹی ہی تھی کہ شیر
ن نے اُسے کہا۔

مجھے تم سے ہمدردی ہے۔

کیسی ہمدردی ...... یہاں کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہے۔

وہ غصیلے لہجے میں بولی۔

میری بات کو غور سے سنو ...... نکلنا چاہتی ہو یہاں سے
زماں بڑا گھاگ تھا۔

وہ ایک دم ٹھہر گئی۔

ہاں ...... لیکن کیسے۔

اُس کی رُوح جھنجھنا اُٹھی .... وہ بہت جلد اِس حسین
رخانے سے رہائی حاصل کرنا چاہتی تھی۔

بہت آسانی سے ...... اگر تم چاہو ....

شیر زمان نے کسی سوچ کے تحت ہونٹوں پر زبان پھیری۔

میں کیوں نہ چاہوں گی ...... میری تو کائنات ہی لٹ گئی
ے ...... اپنے دامن کو خود ہی آگ لگائی ہے میں نے .....

وہ سسک اُٹھی ......

سنو سنو یہ وقت بہت قلیل ہے ...... تم آج رات پورے

دو بجے وہ بڑ کے درخت کے نیچے آجانا ...... وہاں سے
تمہیں گیٹ سے باہر نکال دوں گا۔
شیر زمان نے کہا۔
لیکن میں تنہا ———— وہ دہشت زدہ سی ہوگئی۔
ارے بھئی میں تمہیں منزلِ مقصود تک چھوڑ دوں گا۔
شیر زمان نے یقین دلایا۔
غلام گردش کے دوسرے کونے سے کسی حسینہ کے نقرئی قہقہ
کی آواز پر دونوں منتشر ہو گئے۔ لیکن یہ لمحات ستارا کے لیے
انتہائی تکلیف دہ تھے۔ وہ بستر پر لیٹی کلاک کی جانب نظریں
سوئی کو رینگتا دیکھ رہی تھی۔ بھیگی رات کے دو اس کے لئے لس
سویاں چبو رہے تھے .... وہ تڑپ رہی تھی .....
رہی تھی اُسے گھن سی آنے لگی تھی اپنے وجود سے ......
ہر روز سج بن کر دکان کے شوکیس میں لگ جانا تھا جس گاہک
تجوری میں زیادہ دام ہوتے وہ اُسے خرید لیتا ..... اور
پھر توڑتا ...... بھنبھوڑتا .... اُس کے جسم کو نوچ
وہ اُف بھی نہ کر سکتی تھی ...... کیسے کرتی اُس کے مالک نے اُ
کی قیمت جو لے لی تھی ....
وہ ناچ رہی تھی دولت کی جھنکار پر ......

بستر پر لیٹے لیٹے کروٹ بدلی .... بدن چور چور تھا .....
ے تھکا دینے والے لمحے تھے .... زندگی کا زہر قطرہ قطرہ
لق میں انڈیل رہی تھی .... موت تھی کہ اُس سے کوسوں
ر بھاگتی جا رہی تھی، وہ آسمانوں کی بلندیوں پر تھی ......نفرت
قارت اور تکبر سب سے زیادہ جس چیز نے اُس کو پٹخا وہ دولت
ہوس .... عیش وعشرت کی لگن .... وہ اب آسمان
ے زمین کی پستیوں میں دھنستی چلی گئی تھی۔ اُس نے کیوں اور تگ
ب کو دُکھ دیئے .... اُس کی محبت کو حقارت سے
لیا ....اس کے ساتھ ہی سینہ دھونکنی کی طرح جل اُٹھا
...... وہ جل اُٹھی اپنی آگ میں ..... سسک کر اُس نے سامنے
لیا۔ گل بانو پرسکون سو رہی تھی ...... اس عورت سے غم کوسوں
ر تھا۔ کوئی بات اِس کی عزت نفس پر گراں نہ گزرتی۔
ٹن ٹن ..... کلاک نے ٹن سے بھیگی رات کے دو بجا دیئے
.... وہ تڑپ اُٹھی چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ پیسے اُس
بچا کر رکھے تھے .... سب بیگ میں ڈالے اور آہستہ
دروازہ کھولے شیر زمان کے بتائے ہوئے راستے پر چل
وسیع غلام گردش کو پار کر کے وہ پورچ میں اتری ....
ن اِس وقت اُس کا ہارٹ فیل ہو جاتا کہ کسی نے اُس کا ہاتھ
ام لیا ...... ہاتھ تھامنے والی حرکت اب اُسے اتنی معیوب

ہنیں لگتی تھی، شیر زمان تو پھر اُس کا محافظ تھا ...... اُس کو
بچانے والا تھا ......

ستارہ ....

شیر زمان .... آواز پہچان کر وہ خوفزدہ سی لاشعوری طو
پر اُس کے سینے سے لگ گئی .... شیر زمان نے اُسے سا
لگا لیا۔ یہ نئی بات نہ تھی۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں ...... اب تم کسی محفوظ مقام پر
چلی جاؤ گی۔

شیر زمان نے اپنے حصار کو تنگ کر لیا۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے حویلی کے مغربی درواز
کی طرف بڑھ گئے۔

یہ چھوٹا سا چور دروازہ جس کی چابی بڑے اثر ورسوخ کے سا
شیر زمان نے حاصل کی تھی۔

دروازہ کھول کر شیر زمان نے چابی کو مخصوص جگہ پر رکھ دیا..
اور خود باہر نکل آیا۔

یونہی پلٹ کر ستارا نے دیکھا دروازہ کسی خود کار آلے کے تح
بند ہو چکا تھا۔

سفید ٹیوٹا میں سوار ...... وہ اجنبی ساتھی کے ہمراہ اگ

منزل کی جانب رواں ہو گئی۔

شیر زمان ....

وہ آہستہ سے بولی۔

کیا ہے ......

شیر زمان سٹیرنگ کو دوسرے موڑ کی جانب موڑتے سادگی
سے بولا۔

تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو۔

وہ معنی خیز انداز میں بولی۔

جہاں تمہیں امان مل سکے۔ شیر زمان نے سپیڈ تیز کر دی۔

تم کیوں نہیں مجھ سے شادی کر لیتے۔

وہ کتنی منہ پھٹ ہو چکی تھی۔ .... یہ باتیں اُس کے نزدیک
بڑی بھی نہ تھیں۔

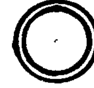
شادی ...... تم سے ......

شیر زمان غیرارادی انداز میں فوراً بولا۔

کیوں؟ .... مجھ میں کیا خرابی ہے .... کیا میں
خوبصورت نہیں۔ وہ نہایت طنز آمیز انداز میں ایک آبرو چڑھا
کر جیسے شیر زمان ٹٹول رہی تھی۔ نہیں ...... نہیں ...... تم
میں تو کوئی خرابی نہیں .... میں ہی شادی نہیں کر سکتا
شیر زمان سمجھ چکا تھا کہ ستارہ کو اُس کا ارادہ معلوم ہو چکا ہے۔

تم شادی کے مقدس بندھن کو کیا جانو........ تمہاری تو ساری
عمر عورت کی قیمت وصول کرتے گزر گئی ہے۔

وہ ٹھنڈی آہ کے ساتھ بولی... اور شیر زمان نے ایک دم گاڑی
ایک مکان کے سامنے روک دی۔





بوڑھی عورت کی خدمت کرتے کرتے وہ تو تنگ آ چکی تھی۔ بڑھیا
کا نخرا بھی تو بہت تھا لیکن سب سے بڑی بات دو وقت عزت
سے روٹی ملتی تھی۔ کوئی عزت لوٹنے والا لٹیرا نہیں آتا تھا......
کہ سج بن کے حسن کی دکان لگائے وہ چلی جائے البتہ بھلا کرے
شیر زمان کا جس نے اُسے دوزخ سے نکال یہاں پھینک دیا بے
شک وہ کئی دنوں سے نہیں آیا تھا...... لیکن اُس کے
احسانوں کو وہ فراموش نہیں کر سکتی.........

ارے لڑکی... ...... آ ہو جرا... ...... دیکھو تو......

بوڑھی کی آواز پر وہ بُری طرح چونک گئی.......

کیا ہو گیا اماں......

وہ سہمی ہوئی بوڑھی کے قریب گئی۔

اے......... ہے .... مجھے اماں کہے.........

تجھے بوڑھی بجز آؤں .... بول ...... بول بوڑھی عورت
نے ستارا کو جھنجوڑ ڈالا۔

اوہ سسک کر رہ گئی۔ نازک بدن پر بوڑھی عورت کے ہاتھ کا
دباؤ بھی اُسے برداشت نہ ہو رہا تھا......

اے سُن ...... میں نے جب سے ہوش سنبھالا ......
دکھوں کی ماری رہی ...... جس سے بوڑھی بوڑھی لگوں ......
ورنہ اتنی عمر نہیں ہے میری ......

بوڑھی نے ہنس کر ستارا کو دیکھا۔

اچھا بات کو ختم کر دے نا .... پھر بول تجھے کیا کہوں

وہ عاجزانہ انداز میں بولی۔

اچھا ...... تو مجھے بوا کریمن ہی کہہ لیا کر۔

کریمن نے اپنی کرنجی آنکھیں کھول کر ستارا کے حسین سراپا کو دیکھا
...... واقعی شیر زمان اپنے کہنے کے مطابق ہیرا لے آیا۔

وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

کیا سوچ رہی ہے ...... بوا۔

ستارہ اُس کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئی ...... جیسے کوسوں
کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔

ہائے اللہ واری جاؤں ...... کیسا پیلا پھٹک رنگ ہوگا
میری بچی کا ......

کچھ کھایا کر ...... تیری صحت بنے ...... ٹھہر میں دودھ لاتی ہوں
...... ایک دم ستارہ چونک گئی ...... جب کریمن اُس کی بلائیں
لینے لگی اُس کی آنکھوں میں چیتے کی سی چمک دیکھ کر ستارہ خوفزدہ سی ہو
گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے بغور بوا کریمن کو دیکھا......

شاید میرا وہم ہو......

وہ پھر حسبِ عادت نرم ہو گئی۔

بوا کریمن اُس کے لیے دودھ کا گلاس لا رہی تھی۔

لے ...... دودھ پی لو ...... تو تو بہت کمزور نظر
آرہی ہے......

نہیں ...... بوا ...... جی نہیں چاہتا۔

وہ ہاتھ سے انکار کرتے بولی۔

ارے نہیں ...... تُو نے تو صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں......
دودھ پینے میں کیا حرج ہے کریمن نے نہایت محبت سے گلاس
ستارہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔

بڑی مشکل سے ستارہ نے دودھ کے گلاس کو ختم کیا۔

چند دن یوں ہی گزر گئے ...... شیر زمان آتا ...... بڑھیا
سے نہ جانے کیا باتیں کر کے چلا جاتا ...... وہ اکثر کان لگا کر سننے
کی کوشش کرتی ...... لیکن اُس کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔ اُسے بوا کی
مہربانیوں کی بھی سمجھ نہ آتی تھی ...... کہ یہ عورت اُس

کا اِس قدر خیال کیوں رکھتی ہے۔ اُسے گھر سے نکلے دو سال ہو چکے تھے......... ان دو سالوں میں کیا کیا اذیتیں اُس نے نہیں اُٹھائیں......... جذبات و احساسات کی کرچیں ادھر اُدھر بکھر گئیں اُس کی عزت اُس کی متاع لٹ گئی۔

وہ کہیں کی نہ رہی۔

ان دو سالوں میں نہ جانے اُس کی ماں کا کیا حال ہوا ہو گا..... ..... وہ زندہ بھی ہے کہ نہیں......... وہ چارپائی پر بیٹھی...... ان ہی سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب اُبھر رہی تھی۔

ستارہ......... کیسی ہو.........

شیر زمان کی آواز پر وہ ایک دم چونک گئی۔

شیر زمان......... تم......... کب آئے۔

ستارہ نے بڑی خوش دلی سے شیر زمان کا استقبال کیا۔

میں ابھی......... سوچا تمہاری خیریت دریافت کرتا چلوں۔

شیر زمان حسبِ عادت شائستہ الفاظ میں بولا۔

ٹھیک ہوں......... لیکن مجھے میرے گھر کب پہنچاؤ گے.....

جانے میری امی ———— وہ جذباتی ہو گئی۔

گھبراؤ نہیں......... سب ٹھیک ہو جائے گا۔

وہ خاموش ہو گئی.....

اور شیر زمان کریمن کو کوئی مخصوص اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

لیکن وہ کچھ نہ سمجھی...... بلکہ اُس نے ادھر دھیان ہی نہ

کچھ دن اور گزر گئے۔

ایک دن بوا کریمن اُس کے لیے بہت خوبصورت سوٹ لیے
ا کے پاس آئی۔

لو......... بیٹی......... یہ سوٹ پہن لو.........

ں اچھا لگے گا.........

نہیں بوا رہنے دو......... میرے یہی کپڑے اچھے ہیں۔

انکار کرنے لگی۔

اے ہے..... کیا کرتی ہے......... شیر زمان تمہارے شہر سے خرید کر لایا ہے۔

پہن لو......... اُس کا دل خوش ہو جائے گا۔

وہ بوا کی باتیں سنتی رہی جب اصرار بڑھ گیا...... تو مجبوراً
ے لیے دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

کپڑے پہن کر اُس کے خوبصورت بدن کی دلکش ساخت مں
اور اضافہ ہوگیا۔ اُوپر سے بوا کریمن نے آرائش حسن کے لیے
ستارہ کا میکپ کر دیا۔

ارے واہ .... کتنی اچھی لگ رہی ہے میری بچی
خدا نظرِ بد سے بچائے۔

حسبِ عادت وہ پھر واری صدقے جانے لگی۔

بوا،،

ایک بات پوچھوں۔

وہ سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

ہاں پوچھ .... بوا کریمن ڈھیل گئی۔

مجھ کو دیکھ کر شیر زمان کیوں خوش ہوگا

چل چھوڑ ....

وہ بھی خاموش ہوگئی

کچھ عجیب سا پر اسرار سا ماحول ہوگیا تھا۔ نہ جانے شیر زمان
سے کیا کیا باتیں کرتا رہتا تھا ...... کبھی کبھی دونوں میں مخالف
ہو جاتی ...... اور کبھی شیر خان بہت خوش نظر آنے لگتا۔ آخر
زمان اور بوڑھی کریمن کا کیا رشتہ ہے ...... بوڑھی کر
عادات و اطوار سے کوئی اچھی عورت نہ نظر آتی تھی ...... کیو
وہ جب شیر زمان کے شانے پر دو ہتھڑ مار کر ہنستی تو کسی

ار کا گمان ہوتا .....

ستارہ ....

وہ ایک دم ہڑبڑا گئی .... غیر ارادی طور سے اُس نے
لباس کو دیکھا .... آج کئی دنوں کے بعد صاف ستھرے کپڑے
اُسے عجیب سے محسوس ہو رہے تھے۔

کتنی اچھی لگ رہی ہو۔ ادھر آؤ ....

شیر زمان نے نہایت گھٹیا انداز میں اُسے گلے لگانا چاہا ....
لیکن وہ پہلو بچا گئی۔

کیا میں اُن لوگوں سے بھی بُرا ہوں .... جن کی صورت
دیکھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔

اور تم ہر شب اُن کے ساتھ شب برات سمجھ کر گزارتی تھی۔

شیر زمان کے لہجے میں انتہائی ترشی جھلک رہی تھی۔

شیر زمان .... وہ ہاتھوں پر چہرا رکھے بُری طرح رو
دی۔

اُس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے اس بات کا اندازہ لگایا جا
سکتا تھا کہ وہ شدید صدمے کے تحت رو رہی ہے۔

اوہو .... یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔

شیر زمان کو احساس ہوا کہ کچھ لوگ اُس کا انتظار کر رہے تھے۔
اور وہ حسن کے جال میں ایسا الجھا کہ احساس تک نہ رہا۔

اب تم مجھے کہاں لے جانے آئے ہو .... مجھے تم پر
بھی شک ہے۔

ستارہ کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی

اچھا۔ اچھا .... زیادہ باتیں نہ بناؤ ....
جلدی آؤ ....

وہ خفت محسوس کرنے لگا ...... جیسے ستارہ نے اس کی
چوری بھانپ لی ہو۔

پہلے بتاؤ یہ لوگ کون ہیں۔

ستارہ حسب عادت اصرار پر اتر آئی۔

پھر وہی بات .... میں جو کچھ کر رہا ہوں .... تمہارے
بھلے کے لیے کر رہا ہوں ....

شیر زمان نے بھرپور جھوٹ بولا۔

ہٹو ....

ستارہ نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔

شیر زمان اسے چھوڑ کر واپس باہر والے کمرے میں چلا گیا..
...... جہاں اس نے پچاس ہزار میں ایک اوباش آوارہ مزاج د
مند کو ستارا کو بیچ دیا۔ نصف لاکھ کے نوٹ اس کی کائنات ہا
دینے کو کافی تھے...... ساری ملاقاتیں صرف اس دولت میں
پنہاں تھیں۔

گاڑی باہر کھڑی تھی .... اور وہ اچھی نسل کی گائے
بھینس کی طرح بڑے اہتمام سے سفید مرسڈیز میں بٹھائی گئی اور

وہ خریدنے والا انتہائی کریہہ صورت دیو ہیکل نوجوان تھا ....
بڑی بڑی مونچھوں میں اس کے سیاہ ہونٹ چھپے ہوئے تھے۔

شیر زمان جا چکا تھا ....

اور گاڑی نے رفتار پکڑ لی ....

کیا نام ہے تمہارا

گرج دار کرخت آواز نے اس کے ذہن کی سلیٹ کو کرچیں
کرچیں کر دیا۔

ستارہ ....

وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

ہوں .... واقعی .... ستارہ ہو .... ابھی
تک تمہاری چمک ماند نہیں ہوئی۔

اس نے گاڑی کی چیخ کے ساتھ موڑ کاٹا۔

لیکن وہ خاموش رہی۔

تمہیں معلوم ہے میں نے تمہیں ۵۰ ہزار میں خریدا ہے۔

گاڑی پوری رفتار سے جا رہی تھی...... بلکہ یوں جیسے اس
کے جگر کو چیر کر گزر رہی ہو۔

وہ خاموش رہی .... صرف چند ایک موٹے آنسو لڑھک
کر اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

تمہاری زبان نہیں ہے۔

وہ جھنجلا کر بولا۔

وہ پھر چپ رہی .... اندر ہی اندر سلگ سلگ کر اُس
کی ہستی جل کر خاک ہوگئی۔ ایک خوفناک عفریت اُس کا تعاقب
کر رہی تھی .... ایک ایسی چیخ جو اُس کی نس نس میں زہریلا
مادہ بھر دے اور وہ تڑپنے مچلنے لگے۔ ایک طویل فاصلہ طے
کرنے کے بعد گاڑی شان دار کوٹھی کے وسیع و عریض پورٹج
میں رُکی۔

اُترو ....

وہ اُس کی جانب کا دروازہ کھول کر غرایا۔

اور وہ بے زبان جانور کی طرح اُس کے آگے لگ گئی۔

وسیع خوبصورت غلام گردش پار کر کے دونوں نہایت ہی حسین ڈرائنگ
رُوم میں داخل ہوئے۔

سلام صاحب

اچانک ایک ملازم مؤدب جھک گیا۔

گامو ....

یہ ستارہ ہے .... اور ہماری چند دن مہمان رہے گی۔

ٹھیک ہے سیٹھ صاحب

گامو نے گندے دانت نکال کر پوری بتیسی کے ساتھ مسکراہٹ
بکھیری لو بھئی .... ستارہ ...... گامو تمہیں تمہارا کمرہ دکھا
دے گا۔

ٹھ کر دادا ایک زور دار جمائی لیے کھڑا ہوگیا۔

وہ چند سیکنڈ بیٹھی رہی .... جیسے کوئی مسافر گاڑی آنے
منتظر ہو ...... یا کسی کو اپنی منزل آجانے پر اُترنے کا انتظار

بی بی .... آپ کا کمرہ ٹھیک ہو چکا ہے۔

چلیئے .....

وہ گامو کے ساتھ اپنے کمرے میں چلی گئی .....

گامو جا چکا تھا ..... اُس نے پلٹ کر اندر سے کنڈی لگانا
ہی ..... لیکن مایوس ہو کر وہ لوٹ آئی .... دروازہ اس
کا تھا کہ اُسے اندر سے کوئی کنڈی یا چٹخنی نظر نہ آئی ....
شان دل گرفتہ سے وہ اپنے وجود کو ستانے کے لیے پلنگ
لیٹ گئی .... چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ ملازم گامو لوازما
سے بھری ٹرے چائے چھوڑ گیا .... اُسے چائے کی طلب ہو
ہی تھی .... ایک دم شدید خواہش کے تحت اُس نے
م گرم چائے کا کپ بنایا اور اُس کا گرم گھونٹ حلق میں انڈیل لیا
... ہونٹ جل گئے .... لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے
ر کی کل عمارت کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتی تھی ..... نصف
یالی پینے کے بعد اُس نے اپنے سر کو پلنگ کی پشت پر ٹکا دیا
...... اور آنکھیں بند کر لیں .... بے ساختہ وہ چونک گئی ...

سیٹھ کرم داد اندر داخل ہوا تھا ...... اُس نے اندر آتے ہی دروازے کے ایک بٹن کو دبایا تو کھٹ سے دروازہ بند ہو گیا ......

وہ مضطرب اُٹھی ....

بیٹھو ....

سیٹھ نے دونوں شانوں سے پکڑ کر اُسے اپنے قریب بٹھالیا۔ سیٹھ .... میں بہت تھک چکی ہوں .... میں سب جانتی ہوں کہ تمہاری نیت کیا ہے .... اور تم کس لیے آئے ہو ...... اپنی پیاس فوراً بجھاؤ اور مجھے آرام کرنے دو .... میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں جس کی میں حفاظت کروں وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکاری .... اور اپنے آنچل کو جسم سے علیحدہ کر دیا۔

سیٹھ نے بغور دیکھا .... اور ہنس دیا۔

تم بہت عقل مند ...... ہو۔

اور پھر بڑی خاموشی کے ساتھ شب کی سیاہ چادر نے اس گناہ کو اپنی پناہ میں لے لیا .... پھر ایک رات دوسری رات ...... پھر کئی راتیں .... وہ سیٹھ کرم داد کے اشاروں پر جوانی لٹاتی رہی۔ اُس کے عصمت کا بازار گرم رہا .... سیٹھ کرم داد اپنے عزیز ترین دوستوں کو بھی اُس کی جوانی پیش کرتا رہا ...... دادِ عیش لیتا رہا .... یہ دھندا کئی ماہ تک جاری رہا .... اس کا سکون برباد ہو گیا ...... رہائی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں ...... سیٹھ کرم داد لاکھوں کروڑوں میں کھیلنے لگا تھا۔

اُس کی انمول جوانی سرعام بکنے لگی۔

ایک دن اچانک وہ چونک گئی۔

جب ڈرائنگ روم کی جانب جاتے جاتے ایک دم وہ رک گئی ..... کسی جانی پہچانی آواز نے اُس کے قدموں کو زمین کے ساتھ جکڑ دیا۔

ستارہ نے راہ داری سے گزرتے گل دان کی اوٹ سے دیکھا اور سامنے اُس کا باس عیش کدے کا مالک سیٹھ کرم داد سے اُس کے سودے کی بات کر رہا تھا۔ وہ دھک سے رہ گئی کرم داد کی آواز پر اُس نے اپنے آپ کو درمیانی دیوار کی آڑ میں چھپالیا۔

کرم داد کہہ رہا تھا۔

ارے یار کیا بتاؤں ہیرا ہے ہیرا ...... جب سے ہاتھ آیا لاکھوں کا کاروبار ہے اپنا۔

ہمیں بھی دیدار کرواؤ اِس چڑیا کا۔

باس نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

ویسے میں اب فروخت کرنا چاہتا ہوں .....

کرم داد نے کہا۔

تو کر دو .... کیا قیمت لو گے۔

باس فوراً بولا۔

پچاس ہزار میں خریدی تھی .... ایک لاکھ لوں گا۔

کرم داد نے کہا۔

ٹھیک ہے ...... گامو.........

جی صاحب ......

ستارہ کو بلاؤ..

ستارہ .... تمہارے پاس کیسے آئی۔

باس بڑی طرح اُچھلا

میں نے اِس کے لیے شہر کا چپہ چپہ چھان مارا۔ اور یہ تمہارے پاس موجود ہے .....

کیسے .....

باس کی رال ٹپکنے لگی۔

ارے بھئی ہمارا ایک ملنے والا ہے شیر زمان ... .اُس سے خرید تھا میں نے ....

کرم داد نے کہا۔

شیر زمان ....

باس نے مکہ میز پر مارا ....اُس سے تو نمٹ لوں گا۔ خبیث کتے ....

باس پوری طاقت سے گرجا.....

لیکن تم ستارہ کو کس طرح جانتے ہو۔

کرم داد کو حیرت ہو رہی تھی۔

ارے بھئی ہمارا دوست شکیل لایا تھا اُسے .... میں نے مال کمایا ......

ایک دن یہ حویلی سے غائب ہوگئی۔ کہاں کہاں ہم نے تلاش نہیں ....

یہ شیر زمان ہی اسے بھگا لے گیا تھا۔ تاکہ خود سے کافی رقم کما ......

باس کے دل میں انتقام کی آگ بھڑک اٹھی ....

اچھا چھوڑو یار .... اِس ذکر کو .....

کرم داد بولا۔

کیوں چھوڑ دوں .... کیوں اِس کتے کے بچے نے میرے ہ دغا کیا۔ چکر باز۔

باس نے صوفے پر پہلو بدلا۔

تم ستارہ کو خریدنا چاہتے ہو۔

کرم داد نے کہا۔

ہاں .... میں اُسے خرید لوں گا .... اور اس فرار کی ایسی ی سزا دوں گا کہ ساری عمر یاد رکھے گی۔

باس نے دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑا۔

یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے...... میں دخل نہیں دوں گا۔

ہاں کتنے دام لو گے۔

باس نے کہا۔

میں نے شیر زمان سے پچاس ہزار سے لی تھی...... ظاہر ہے

...... تم ایک لاکھ دے دو۔

کرم داد کی آنکھوں میں ہوسِ زر کی بجلی کوندی۔

ایک لاکھ........ بھئی بہت زیادہ ہے۔

باس نے کہا۔

ارے یار ایک لاکھ تو تمہارے ایک دن کی آمدن ہے.....

اور اچھی سے اچھی لڑکی تمہارے لیے آمدنی کا ذریعہ ہے۔

کرم داد نے جیسے کاروبار پر افسوس کیا۔

باس خاموش تھا۔

اچھا....... تم صبح اُسے تیار رکھنا......... اس وقت ر

تو میرے پاس نہیں ہے۔

باس نے جیبوں کو ٹٹولا۔

ٹھیک ہے........ تمہاری امانت ہے......... ایک لا

سے سودا کم کا نہیں۔

کرم داد نے کہا۔

اچھا بابا ٹھیک ہے۔

باس نے زچ ہو کر زبردست ہاں میں ہاں ملائی۔ اور ڈرائنگ روم
نکل کر اپنی گاڑی کی جانب چلا گیا۔

کرم داد نے دروازے پر ہی اُسے بائے کہا اور اندر لوٹ گیا۔

سیٹھ صاحب...... سیٹھ صاحب.. ...... غضب ہو گیا۔

گامو بھاگتا ہانپتا کرم داد کے پاس آیا۔

کیا بات ہے........ تم اس وقت اس قدر گھبرائے ہوئے
یوں ہو۔

بات ہی کچھ ایسی ہے جی.......

گامو کانپ رہا تھا.....

کیا بک رہے ہو.... سیدھی طرح بکواس کرو۔

جیسے کرم داد کی چھٹی حس بیدار ہو چکی ہو.........

جناب! ستارہ بی بی نہیں ہے۔

گامو نے کہا۔

اپنے کمرے میں دیکھو....... جا کہاں سکتی ہے۔

سیٹھ کرم داد نے خود کو شدید نقصان میں مبتلا دیکھا۔

ساری کوٹھی چھان لی سرکار.......... اُس کا کہیں نشان
ملا...

اوہو...... ...اس قدر تاریک رات اور جوان لڑکی......

تم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ سیٹھ کرم داد نے اپنا سر پیٹ لیا۔
سیاہ ناگن رات سرما کی پھنکارتی ہوئی تیز ہوا۔ شائیں شائیں کرتی
گھنے درختوں کی ٹہنیاں .... وہ سیٹھ کرم داد کی کوٹھی سے نکلی
سیدھی ایک بس میں سوار ہو گئی .... اس وقت اُس کی کل کائنات
صرف ایک پرس جس میں اُس کی ضرورت کے لیے کافی پیسے تھے۔ ا
ایک گرم چادر جسم پر ایک جوڑا کپڑوں کا۔ بس مخصوص رفتار سے چل
تھی ..... اپنی باری پر سب مسافر اترتے جا رہے تھے.....
آخر میں ڈرائیور اور کنڈیکٹر رہ گیا...... آخری سٹاپ پر بس رُکی۔

چلو بی بی......
کنڈیکٹر نے کہا۔
کہاں جاؤں.......... افسردہ پریشان...... نیچے اُتر آ
اور فٹ پاتھ پر آہستہ آہستہ چلتی گئی اور بار بار پلٹ کر بس کو دیکھ
تھی۔

ڈرائیور بغور اُس کی حرکات و سکنات کو دیکھ رہا تھا۔
مشتاق..........
ڈرائیور نے بس کو ایک کونے میں روکتے ہوئے کہا۔

کیا ہے۔
مشتاق نے ٹول بکس سے کپڑا نکالتے ہوئے کہا۔
مجھے تو چھوکری مشکوک لگے۔

ڈرائیور نے کہا۔
کونسی
مشتاق حیران ہو کر بولا۔
ارے وہ .... سامنے دیکھ .... اب کھڑی ہو
ہے .... کیا سوچ رہی تھی۔
ڈرائیور نے کہا۔
مشتاق نے بھی بغور دیکھا۔
وہ سامنے کھڑی نہ جانے کس سوچ میں مدہوش تھی۔ چادر سے
نے چہرا بھی ڈھانپ رکھا تھا۔
ہاں اُستاد .... کچھ دکھیا لگے۔
مشتاق کو ترس آگیا۔
ارے گھر سے بھاگی ہو گی۔
ڈرائیور نے کہا۔
اگر بھاگتی تو کسی کے ساتھ ہوتی......... لیکن یہاں
ارے بھئی بڑے خراب حالات ہیں زمانے کے۔
مشتاق خاموش رہا .... اُسے رحم آرہا تھا۔ ستارا کے
ے پر بلا کی معصومیت دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گیا۔
میرا خیال ہے........ ہمارا یار اس کی مدد کرنا چاہوے۔
ڈرائیور ہنس کر بولا۔

مشتاق بھی مسکرا دیا۔

لیکن ابھی وہ سوچ ہی رہے تھے۔ کہ وہ اُن کے پاس ہی سہمی سہمی

ڈری ڈری سی آ رہی تھی۔

مجھے سہارے کی ضرورت ہے ...... مجھے خدا کے لیے بچا

لو ...... یا تم دونوں میں سے کوئی مجھ سے شادی کرلے۔

وہ جیسے تحفظ کی بھیک مانگ رہی ہو ......

اُسے امان چاہیے تھی ...... اپنی حفاظت ......

ہیں ......

ڈرائیور اور مشتاق کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

ہم تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھ رہے ...... تم کیا

چاہتی ہو۔

خدا کے لیے سمجھنے کی کوشش کرو ...... میں اس وقت مصیبت

میں ہوں۔ وہ بڑی لجاجت امیز انداز میں جھکی اور ہاتھ باندھ دیئے

سنو لڑکی ...... ہم تمہیں بغیر کسی راستے کے کیسے

ساتھ لے جائیں۔

ڈرائیور نے کہا۔

میں شریف گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں ...... میری بد

میں بُرے لوگوں کے چنگل میں پھنس گئی ہوں ...... بڑی طویل

ہے میری۔ خدا کے لیے یہاں سے لے چلو مجھے ......

لاش کرلیں گے۔

ستارہ نے دونوں ہاتھ باندھ دیئے۔

شتاق کی رُوح لرز گئی ...... عورت آئی مجبور اور بے لبس

ہو سکتی ہے۔

بڑی عجیب نظروں سے اُس نے ڈرائیور محمد حسین کو دیکھا

اچھا ......

محمد حسین نے اقرار میں گردن ہلائی۔

سنو لڑکی میں تمہیں لیے چلتا ہوں ...... میں شریف آدمی ہوں ...

ہاں میری بیوی میری ماں اور بچے بھی ہیں ...... تم چاہو تو

رہ سکتی ہو ...... ہاں ...... میرا ایک بھائی بھی ہے۔ جو

کالج میں پڑھ رہا ہے ...... کوئی چکر نہ چلے ...... سُنا ......

ن حسبِ عادت کرخت لہجے میں بول گیا۔

نہیں نہیں ...... بھائی ...... میں تمہیں کوئی شکایت کا

نہ دوں گی۔

مجھے صرف تحفظ چاہیئے۔ وہ گھگھیاتے بولی۔

چھا بھئی ...... اُستاد میں تو چلا ...... خدا حافظ۔

شتاق نے مطمئن ہوکر دور سے ہی ہاتھ ہلایا اور اپنے گھر

ہ ناپ لی۔

سڑک پہ ہی محمد حسین نے پاس سے گزرتے رکشے والے کو آواز

دی۔

کہاں چلے گا بابو جی

کالونی چلو گے

محمد حسین نے کہا۔

جی ہاں .... کیوں نہیں۔

دونوں رکشے میں سوار ہو گئے۔

ابھی ستارہ نے ٹھنڈا سانس بھی نہ لیا تھا کہ ایک تنگ و تاریک
کے نکڑ پر رکشہ رُکا۔

اترو لڑکی .....

وہ چادر میں لپٹی سہمی سہمی سی اُتر کر قریب مکان کی سیڑھیوں
کھڑی ہو گئی۔

رکشے والے کو کرایہ ادا کر کے وہ ستارہ کی جانب جھکا۔

سنو .... میری بیوی .... ذرا تیز مزاج ہے....

لیکن دل کی بری نہیں۔

اُس کی بات کا بُرا نہ ماننا۔

جی اچھا......

ستارہ نے آہستہ سے کہا۔

اچھا تم ٹھہرو۔ میں اطلاع کرتا ہوں۔

وہ اُسے تسلی دے کر مکان کے اندر چلا گیا۔ لیکن ڈرا ڈرا سہ

چند لمحوں کے بعد واپس لوٹا۔

آؤ .... آؤ .... اندر آ جاؤ ....

وہ ستارہ سے بڑی خلوصِ نیت سے بولا۔

ہاں ہاں .... آ جاؤ .... بی بی .... یہ تو سرائے
ہے .... پہلے تو یہ دوست یار لایا کرتا تھا .... اب
ہاری کسر باقی تھی۔ عورتیں لانے لگا ہے۔

محمد حسین کی بیوی ڈیوڑھی میں جھانک کر بولی۔

اری نیک بخت مصیبت زدہ ہے بچاری .... تمہاری خدمت
ے گی۔ تمہارے بچوں کا خیال رکھے گی .... چلو اسے اندر لے
لو۔

محمد حسین کی بیوی شمیم اختر اُسے اندر لے گئی۔

بیٹھ جاؤ .... تسلی سے .... گھبراؤ نہیں......

شمیم نے کرخت لہجے میں ستارہ کو اطمینان دلایا۔

ستارہ نے ایک نظر سے سارے گھر کو دیکھا ...... واقعی
ریف لوگوں کا گھر تھا .... چھوٹے چھوٹے بچے اردگرد بوڑھی
دی کے گرد منڈلا رہے تھے۔

اسے روٹی دو بیٹی .... نہ جانے کچھ کھایا بھی ہے
نہیں۔

بوڑھی عورت محمد حسین کی ماں نے کہا۔

دیتی ہوں

شمیم بل کھا کر اُٹھی .... اور باورچی خانے سے
پلیٹ میں سالن اور تنور کی دو روٹیاں لے آئی۔

لے کھا لے .... سالن اور روٹی اور لے لینا ....

شمیم نے کہا۔

بہت ہے

ستارہ نے ٹرے پکڑ لی ....

میں ہاتھ دھوؤں گی۔

ستارہ نے ہاتھوں کو نفرت سے دیکھا۔

ہاں .... وہ سامنے حمام رکھا ہے ....
پاس ہی صابن پڑا ہے .... دھوئیے ہاتھ شمیم ۔
کہا اور واپس باورچی خانے میں چلی گئی۔

ستارہ نے حمام سے ہاتھ دھوئے اور واپس آکر روٹی
کے لیے چارپائی پر سکون سے بیٹھ گئی۔

نہ جانے کیوں اِس گھر میں اُسے سکون نصیب ہو رہا
.... جیسے عزت لُٹنے کا غم نہ ہو .... کسی
کے آنے کا اندیشہ نہ ہو۔ آج اُس نے سکون سے جی بھر
روٹی کھائی ....

اور اُس نے اپنے آپ کو ڈرائیور محمد حسین کے گھر کا ہی ایک
ر سمجھنے کے لیے .... دل کو یہیں کا بنا لیا۔





محمد حسین کے گھر والے خاصے اچھے لوگ نکلے........ ستارا نے اپنے آپ کو اِسی گھر کا ایک فرد بنا لیا تھا........ بلکہ گھر کی اکثر ذمہ داری خود ہی سنبھال لی۔ محمد حسین کے چھ بچے تھے۔ بڑی لڑکی اور لڑکا چھٹی جماعت میں پڑھتے تھے........ اور اُس سے چھوٹا پانچویں میں اور اُس سے چھوٹی گڑیا سوئم میں........ باقی دو تو بالکل ہی کم سن تھے۔ بلکہ جڑواں ہی نظر آتے تھے...... ستارا نے دونوں چھوٹوں کو محبت پیار سے اپنا اتنا گرویدہ بنا لیا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ ہی رہنے لگے۔

تارا باجی تارا باجی کرتے رہتے وہ سکون میں تھی۔

شمیم کی تلخی میں بھی کمی آگئی تھی کیونکہ کھانا پکانا...... روٹیاں تمام کام ہی ستارہ کرنے لگی تھی۔

اس وقت شام پانچ کا عمل ہو گا........ وہ چھت پر اپنے

کمرے میں بڑی لڑکی ناہید کو پڑھا رہی تھی کہ چھوٹا بیٹا سلیم بھاگا بھاگا آیا۔

باجی........ چائے بنا دو۔

کون آیا ہے۔

ستارا نے ناہید کی کاپی میز پر رکھ دی۔

بڑی خالہ

بڑی خالہ........ باجی........ اللہ توبہ........ بڑا بولتی ہیں۔

سلیم نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

ستارہ ہنستی ہوئی سر پر دوپٹہ اوڑھے زینہ اُتر گئی۔

صحن میں بڑی خالہ بیٹھی تھی........ اُس کے پاس ہی محمد حسین کی ماں اور شمیم بیٹھی تھیں۔

ستارہ........ ذرا جلدی سے چائے بنا دو۔

شمیم نے کہا۔

اچھا آپا

ستارہ نے کہا۔ اور باورچی خانے میں گھس گئی۔

اے لو........ یہ کونسی مخلوق رکھی ہے گھر میں........

محمد حسین کے تو سارے خاندان میں ایسا سندر ہیرا نہیں........

بڑی خالہ حسب عادت ہاتھ نچا نچا کر بولنے لگیں........

اُنہیں طنز کرنے میں خاصی مہارت تھی۔

آہستہ بولیے خالہ جان .... سُن لے گی۔

شمیم کو بڑی خالہ کا انداز کچھ پسند نہ آیا۔

اے لو .... میں نے کونسی بڑی بات کہہ دی ....
سن لے اگر سننی ہے تو۔

بڑی خالہ تنک کر بولیں۔

نہ سنو .... میری بات غلام فاطمہ .... تم خود سمجھدار عورت ہو .... جوان جہان لڑکی تم نے گھر میں رکھی ہوئی ہے .... تیرے دو بیٹے ہیں .... محمد حسین تو ماشا اللہ شادی شدہ ہے اور محمد امین .... وہ تو ابھی کنوارہ ہے ....

ایک ہی سانس میں سب کچھ کہنے کے بعد بڑی خالہ نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنی چندی آنکھوں کو گھر کے چاروں جانب پھیرایا۔

نہ وہ ہے کہاں؟

ہر بات میں پہلے نہ کہنا اُن کا تکیہ کلام تھا۔

وہ ایبٹ آباد گیا ہے دوستوں کے ساتھ .... ابھی تک تو نہیں آیا ....

غلام فاطمہ کا لہجہ بھی تشویش ناک تھا ....

شمیم بغور سب کچھ سن رہی تھی۔

بڑی خالہ .... محمد امین کیا ہڑپ کرے گا .... ستارہ

تو ....

شمیم نے کہا۔

لو دیکھو .... کیسی بچوں جیسی مارے .... ارے پگلی یہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔

بڑے بڑوں کو اِس گلی کا فقیر دیکھا .... میاں امین کیا شے ہے۔

بڑی خالہ نے لہک لہک کر اپنے دل کا حال بیان کر ہی دیا۔

ہوں ....

غلام فاطمہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ محمد امین کی جذباتی عادات سے واقف تھی۔

وہ تو ایک بھنورہ تھا .... جسے ہر خوبصورت پھول پسند تھا۔

اتنی دیر میں ستارہ چائے کی ٹرے لے آئی۔

درمیانی میز پر رکھ کر وہ چلی گئی۔

بڑی خالہ حسبِ عادت ستارہ کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھ کر بولی۔

ویسے لڑکی تو سگھڑ معلوم ہوتی ہے۔

ہاں ہے تو سگھڑ .... کام تمام ہی اچھے اور صاف ستھرے وہ بڑے سلیقے سے کرتی ہے۔

شمیم نے کہا۔

آپا ...... مُنا رو رہا ہے ......

ستارہ نے باورچی خانے کی دہلیز پر کھڑے کھڑے مُنے کو گود میں اُٹھا کر کہا۔

اچھا ......

شمیم منے کو لیے کمرے میں دودھ پلانے چل دی۔

غلام فاطمہ کسی دن کوئی نیا چن نہ چڑھے ...... اس کو چلتا کرو ......

بڑی خالہ نے چائے کا کپ اُٹھاتے ہوئے کہا۔

ارے بڑی آپا ...... میں کہاں راضی تھی ......

یہ تو میرے بیٹے اور بہو کے دل لگ چکی ہے ...... کار جو کرتی ہے سارے گھر کا ......

غلام فاطمہ نے اپنی طرف سے سرگوشی کی ......

کام ...... میرا اکیلی کا کرتی ہے ...... آپ سب لوگ موجود نہیں ہیں اس گھر میں ...... اماں ...... بات انصاف سے کیا کرو۔ ہاں شمیم نے آتے آتے ساری بات سُن لی اور بھڑک اُٹھی۔

اچھا گرمی نہ دیکھا ...... بڑی آپا کی بات بھی غلط نہیں ہے ...... جوان لڑکی ...... تمہیں کیا معلوم ......

دان ہے ...... اور کہاں سے آئی ہے۔ کسی دن کوئی بدنامی نہ دے ہمیں ......

بڑی خالہ بڑی شاطر عورت تھی ...... وہ جب بھی آتی اُس کی نظر ستارہ کی حرکات و سکنات پر ہوتی ...... گو محمد امین بھی اب تڑپ سے آچکا تھا ...... ستارہ کو دیکھ کر اُس کا دل مچلا ضرور ......

لیکن جب ستارہ کی طرف سے سرد رویہ دیکھنے میں آیا تو امین نے بھی اپنے خیالات کو بدلنے کی کوشش کی ...... وہ بی اے فائنل کا طالب علم تھا۔ کوشش تو اُس نے بہت کی کہ ستارہ کے خیالات و تصورات کو ذہن سے نکال کر پڑھائی کی طرف دل لگا لے ...... لیکن اُس کے چاروں جانب ستارہ کی معصوم صورت اور نشیلی آنکھیں گھومتی ...... وہ اُسے ایک پل بھی فراموش نہ کر سکا۔

کتاب کو ڈھپ سے بند کر کے اُس نے کلاک کو دیکھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے۔ تمام گھر والے سو چکے تھے۔ دل میں موہوم سی اُمید لیے وہ ستارہ سے ملنے چھت کا زینہ چڑھ گیا ......

بتی روشن تھی ...... شاید وہ اندھیرے میں سونا پسند نہ کرتی تھی ......

ٹھک ٹھک ...... امین نے آہستہ آہستہ سے دستک دی ......

کون ......

وہ کہاں سو رہی تھی ...... خیالات کے بے پناہ ہجوم میں کھوئی

ہوئی چونک گئی ۔

امین .... دروازہ کھولو .... ستارہ ....

میں کچھ کہنا چاہتا ہوں .... ۔

جی نہیں ...... آپ جایئے سو جایئے .... میں آدھی
کو دروازہ نہیں کھول سکتی .... جاؤ آرام کرو ....

وہ سنتے ہی سیخ پا ہوگیا ...... ایک ہاتھ کی مٹھی دوسرے
مارتے وہ واپس پلٹ گیا ۔

لیکن ستارہ کا سکون برباد کر گیا .... اُس کی آواز میں جسم
کی کپکپاہٹ اور عریانی تھی ...... ستارہ لرز گئی ....

نہیں نہیں .... میں اب کوئی بُرا کام نہیں کروں گی ....
اب اپنی لُٹی ہوئی عصمت کی حفاظت کروں گی ...... میں کسی
شادی کر لوں گی ۔

شادی .... ہاں ہاں شادی .... وہ مسکرائی اور ل
میں منہ دے لیا ۔

دوسرے دن امین اُسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا ....
وہ ہر بار کترا کر نظریں ادھر سے اُدھر کرتی رہی .... جیسے خ
مجرم ہو ۔

یوں ہی کئی دن اور گزر گئے .... امین نے ایسی جرا
نہ کی ۔

لیکن وہ ستارا سے خوامخواہ کا بیر ضرور رکھنے لگا ۔

اگر تم نے اِس گھر میں رہنا ہے تو انسانوں کی طرح رہو ۔

امین کی کراہٹ آمیز گھرکی سُن کر وہ پیاز کاٹتی چونک گئی ۔

کیا ہوا ....

تمہارا سر ....

وہ قمیض کو اُس کے منہ پر مارتا ہوا واپس پلٹ گیا ۔

ہاں، ہاں دیکھو ذرا لڑکی .... نہ جانے کس خیال میں
.... اتنی قیمتی قمیض کا ستیاناس کر دیا ۔

غلام فاطمہ جو کچھ دنوں سے ستارا سے اُکھڑی ہوئی تھیں ....
ں کو پکڑے اُس کا دامن دیکھتے بولیں ۔

میں نے .... میں نے تو نہیں جلایا ...... اور نہ ہی میں
امین کا یہ سوٹ استری کیا ہے ۔

وہ ہکلا کر رہ گئی ۔

تو اور کس نے کیا ہے .... تمہارے علاوہ اور بھی کوئی کپڑے
ی کرتا ہے ۔

دوسری مرتبہ پلٹتے امین چلا کر بولا ۔

ارے بھئی کیا ہوگیا ....

محمد حسین ناشتے کے لیے آ چکا تھا ۔

آجایئے ناشتہ کر لیجیے .... انڈے تیار ہیں ۔

شمیم دوسری طرف پیاز انڈوں میں ملاتے بولی۔

یہ دیکھئے .... میری اس قدر قیمتی قمیض کا حشر ....

امین قمیض کھول کر دیکھانے لگا۔

تو کیا ہو گیا .... کوئی اور پہن لو .... کام کی
ہو تو ایسا ہو ہی جاتا ہے۔

محمد حسین کو امین کا یوں ستارہ کو کوسنا اچھا نہ لگا۔

ہنہ ....

بڑی طرف داری کرتے ہیں بھابی .... آپ کے میاں
کی امین کا خون کھول گیا۔ زمین پر پاؤں مارتا دوسری جانب چل د
دراصل وہ شمیم کو طیش دلانا چاہتا تھا لیکن شمیم شوہر کی عاد
سے واقف تھی کہ وہ ستارا کو بہنوں کے برابر سمجھتا تھا۔ کبھی اُس
ستارا سے فضول بات نہیں کی تھی۔ اچھا بھلا ماحول تھا ....
مارا جب سے امین آیا تھا اُس دن سے اماں بھی ستارا کے
میں فساد کھڑا کرنے لگیں تھیں۔ اور .... یہ امین کو کیوں
ستارا سے .... اچھا بھلا کام کرتی ہے .... بچو
پڑھا بھی دیتی ہے .... شمیم دل میں سوچ کر رہ گئی۔
اُس نے چوکی پر ناشتہ رکھتے بغور ستارا کو دیکھا ....
ستارہ اُجلے پانیوں کی طرح پاک تھی .... شمیم کیا جانے
کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ ویسے اُسے ستارا کی موجودگی

ا۔

اس کے حصے کا سارا کام کرتی تھی۔

ج رات جب شمیم نے بچوں کے بستر درست کئے تو محمد حسین سے
ہی لیا۔

ایک بات کہوں .... وہ بچوں کو گہری نیند میں سوتے دیکھ

شمیم نے محمد حسین کی پائنتی بیٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں کہو۔

محمد حسین کروٹ لے کر اُس کی جانب رُخ موڑ کر بولا۔

نا کہاں ہے۔

محمد حسین نے کہا۔

ستارہ کے پاس سونے کی ضد کر رہا تھا .... وہی لے گئی
..... اپنے کمرے میں ....

شمیم نے کہا۔

اچھی ہے بچاری .... دُکھی سی .... اتنے دِن ہو گئے۔
سے رہ رہی ہے .... جیسے متلاطم دریا ٹھہر جائے ....
اور گرد و باراں رُک جائے۔ محمد حسین کا انداز دردمندانہ تھا۔
ہی تو میں حیران ہوں کہ ستارہ نے اپنے بارے میں کچھ نہیں
کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ نہ جانے والدین بہن بھائی

ہیں یا کہ نہیں۔

شمیم نے بات کو بڑھانا چاہا۔

جب ستارہ میرے ساتھ آئی تو اس نے یہی کہا تھا کہ میں ٹرا
عورت ہوں .... بڑے ہاتھوں میں پھنس گئی ہوں ......
طویل داستان ہے .... مجھے سہارا دو .... وہ
کرنے والی بات قصداً چھپا گیا۔

ہوں .... ٹھیک ہے .... مجھے تو اس کا بڑا
ہے .... سارا کام کرتی ہے۔

شمیم نے کہا۔

آپا ....

دروازے سے باہر ستارہ نے پکارا۔

آجاؤ ستارہ

آپا! منّا سو گیا ہے۔

لٹا دو یہاں ......

شمیم نے منّے کے بستر کی جانب اشارہ کیا ....

ستارہ ....

شمیم نے کہا۔

جی .... وہ حسبِ عادت مؤدب بولی۔

اپنے بھائی جان کو ایک گلاس دودھ لا دو۔

جی بہتر ......

شمیم لیٹ گئی .... اور ستارہ باورچی خانے سے دودھ
ل دی۔

ستارہ کیا کر رہی ہو ......

اماں غلام فاطمہ نے ستارہ کو باورچی خانے میں داخل ہوتے دیکھا۔

اماں جی ...... بھائی جان کے لیے دودھ لینے جا رہی ہوں ....

ں میں دودھ لیئے واپس آتے بولی۔

اچھا .... امین کو بھی دے دو ...... ایک گلاس .....

جی اچھا .... وہ دہلیز پر منجمد سی ہو گئی۔

اماں تو چلی گئی اور وہ دل گرفتہ سی محمد حسین کے لیے دودھ لے

واپسی پر وہ بادلِ نخواستہ باورچی خانے سے دودھ کا گلاس بھر
ین کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

دودھ لے لیجئے۔

وہ میز پر گلاس رکھتے بولی۔

آ .... ہا .... زہے نصیب .... وہ آئیں ہمارے
یں خدا کی ـــــ امین نے جھک کر ستارہ کی کمر میں بازو حمائل کیا اور
ہ اپنے قریب بستر پر گرانا چاہا۔

تاخ ....

ستارہ کا ہاتھ اُٹھا اور امین تیورا گیا .... وہ دفعتاً اِس
کے لیے تیار نہ تھا۔ اُس نے تڑپ کر اپنے رخسار کو مسل ڈالا .....
اور ستارہ کمرے سے بھاگ چکی تھی ....

غصّے اور جوشِ انتقام کی آگ بھڑکی .... امین نے زبردس
ہاتھ مارا اور دودھ کے گلاس کو دروازے پر دے مارا۔

ایک شور اُٹھا .... اماں بھاگتی ہوئی اندر داخل ہوئی ...

کیا ہوگیا ہے بچے۔

اماں غلام فاطمہ نے کہا۔

کچھ نہیں .... کچھ نہیں .... میں مکھی اڑانے لگا
گلاس ——— وہ کھسیانہ سا مسکرایا۔

اچھا .... دودھ اور لا دوں ....

ماں نے کہا۔

جی نہیں .... اب ضرورت نہیں .... میں نہیں
گا اب .... امین نے سختی سے منع کر دیا۔

اماں کمرے سے نکل گئی۔ اور وہ ہاتھ ملتا رہ گیا ....
بھلی چڑیا پھنس چکی تھی۔

اس تھپڑ کا بدلہ میں ضرور لوں گا

وہ انتقام کی آگ میں پاگل ہوگیا۔

اُدھر ستارہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کنڈی لگا لی۔

ن رات کاٹ کھانے والی تنہائی .... اُس نے کروٹ لی ....
پوری طاقت سے گرجا کہیں بجلی گری .... وہ کسی کا نشیمن
وہ تڑپ اُٹھی .... مضطرب ..... بے قرار اُٹھی اور
زے کے سامنے کرسی لگادی .... میز لگا دیا تاکہ کسی طرح
زہ نہ کھلے۔ میں جان کی بازی لگا دوں گی .... لیکن ....
تمہارے قابو نہ آئے گی۔ اُس نے عہد کیا اور مطمئن ہوکر پلنگ
ڑ گئی۔ تمام شب اُس نے کروٹیں لے کر گزار دی ....
ی صبح وہ پھر حسبِ معمول کام میں جُت گئی .... اُسے امین
رادے اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔ اُسے گھر سے نکلے تین
ہو چکے تھے .... اُس کی ماں کا کیا حال ہوگا۔

اُسے کیا معلوم ماں آخر ماں ہوتی ہے .... جب ایک ماہ
کوثر جہاں کو ستارہ کی کوئی خبر نہ آئی تو ایک دن اُنہوں نے منشی جی
یا۔

جی بیگم صاحبہ

منشی جی بہت سمجھدار آدمی ہے .... کوثر جہاں کے چہرے
ہی اُن کی پریشانی کا اندازہ لگا چکے تھے۔ کیونکہ اکثر تشکیل اُن کی
دگی میں ہی ستارہ سے بے تکلف دیکھا گیا تھا .... اور
بل سے شادی اُن کی موجودگی میں ہی ہوئی تھی۔

منشی جی .... آپ سے مشورہ لینا تھا۔

کوثر جہاں نے منشی جی کے چہرے کو بغور دیکھا .... جو نگاہیں
قالین کے پھولوں میں گھاڑے کچھ سوچ رہے تھے۔
ستارہ کو گئے ہوئے ایک ماہ ہوگیا ہے .... لیکن ابھی تک
کوئی اطلاع نہیں آئی۔
کوثر جہاں بہت متفکر نظر آرہی تھیں۔
بیگم صاحبہ .... مجھے حیرت ہے کہ شکیل پر یہ ذمہ داری
عائد ہوتی تھی کہ وہ امریکہ جاکر خیریت کی اطلاع دیتا۔
منشی جی نے کہا۔
وہ بہت لاپرواہ لڑکا ہے .... اور ستارہ کو تو میری حالت
کا اندازہ تھا۔
کوثر جہاں بڑے تشویش ناک انداز میں بولیں۔
منشی صرف گردن اُٹھا کر کوثر جہاں کے اترتے رنگ کو دیکھتے رہے
.... جہاں ویرانی ڈیرا جما چکی تھی۔
جیسے بہار میں اتارا ہوا رخت کہن درخت دوبارہ پہن لیں سوکھی
ٹہنیوں پر کوئی بلبل نغمہ زار نظر نہ آئے۔
بیگم صاحبہ .... آپ بے فکر رہیے .... میں پوری
کوشش کروں گا کہ ستارہ بی بی کا پتہ چل جائے۔
منشی جی خود بھی بڑے فکر مند تھے۔
جی ہاں منشی جی اب یہ کام آپ کے سپرد ہے .... میں تو ندامت

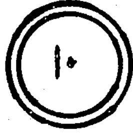
کے مارے کسی کو مدد کے لیے کہہ بھی نہیں سکتی۔
اُن کی آواز کا لوچ اور دبدبہ یکسر بدل چکا تھا۔
انشاء اللہ ضرور معلوم ہو جائے گا۔
لیکن ایک ماہ کیا کئی ماہ گزر گئے .... بلکہ تین سال ستارہ
کے انتظار میں گزر گئے .... بیٹی کے انتظار میں کمزور سے
زرد تر ہوتی گئیں .... حویلی کے تمام ملازمین کو چھٹی کروادی
.... صرف بوڑھی ملازمہ رحمو رہ گئی تھی۔ کیا کرنا تھا اتنے ملازمین
.... جب کام ہی کوئی نہ تھا۔
رحمو ....
کوثر جہاں نے آہستہ سے پکارا۔
جی بیگم صاحبہ
رحمو آہستہ آہستہ اُن کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔
اب تو ستارہ کے انتظار میں آنکھیں بھی پتھرا گئیں۔
کوثر جہاں نے کہا۔
دل چھوٹا نہ کریں بیگم صاحبہ .... زندگی ہو تو انسان سے
انسان مل ہی جاتا ہے۔
رحمو نے کہا۔
ہوں ....
کوثر جہاں نے سر کو پلنگ کی پشت پر گرا لیا۔

رحمو بھی خاموش ہو گئی۔

رات بیتتی چلی گئی .... وہ آنکھیں پھاڑے اب بھی دور کہ
ستارہ کی منتظر تھیں۔ لیکن ستارہ نہ لوٹی .... انہیں کیا معلو
کی بیٹی دولت کی تعاقب میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔

وہ حواس باختہ بیٹی کی منتظر رہیں، مضطرب، بے قرار اور
کرب کی حالت میں۔





آپا ....

ستارہ موقعہ تلاش کرتے وہ آج شمیم سے جانے کی اجازت چاہتے

آؤ ستارہ .... کیا بات ہے۔

شمیم نے منے کو گود میں لٹاتے ہوئے کہا۔

میں اب چلی جاؤں تو اچھا ہے۔

ستارہ بے ربط سے جملے بول گئی۔

چلی جاؤں ....

شمیم حیران ہوتے بولی۔

ہاں! آپا .... نہ جانے میری ماں کا کیا حال ہو گا ....

آپ لوگ مجھے اجازت دیں۔

ستارہ نے بغیر تمہید کے بات شروع کر دی۔

ارے ...... ستارہ ...... آج تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم
ہو کون اور آئی کہاں سے ہو۔

شمیم کو ستارہ کے بارے میں جاننے کے لیے دلچسپی پیدا
ہوئی۔

شمیم کی بات سنتے ہی ستارہ نے ٹھنڈی سانس لی اور دو آنسو
لڑھک کر اُس کے رخساروں پر پھیل پڑے۔

ارے تم تو رونے لگیں .... سُسرال سے شکایت
تھی کیا۔

شمیم نے قیافہ لگایا۔

ہاں .... اُن لوگوں نے مجھے مار پیٹ کے گھر سے نکال
دیا۔ میری اولاد جو نہیں تھی۔

اپنی عزت و ناموس کی خاطر ستارہ نے جھوٹ کا سہارا لیا۔ اگر اُس
گھرانے کو میری اصلیت معلوم ہو جائے تو میرے ناپاک وجود کو ایک
لمحے کے لیے ٹھہرنے کی اجازت نہ دیں۔

اچھا ...... تو اب کہاں جاؤ گی .... کہاں ہیں تمہارے
والدین ......

کیا کرتا ہے تمہارا باپ؟

شمیم نے ایک ہی سانس میں اتنے سوال کر دیے۔

ہم غریب لوگ ہیں آپا .... اِس بھری دنیا میں میری صرف ایک

ماں ہی ہے۔
باپ کو ایک عرصے سے اللہ کے پاس رخصت کر چکی ہوں۔

تمہاری کراچی شادی ہوئی تھی۔

شمیم کو اس کہانی میں صداقت نظر آئی۔

ہاں! میرا شوہر ایک بدکردار اور نشے باز آدمی تھا ...... پھر میرے
ہاں عرصہ اولاد بھی نہ ہوئی .... اُس نے یہاں آ کر مجھے اپنے دوسرے
دوست کے ہاتھ -/20,000 ہزار کا بیچ دیا .... مجھے جب معلوم
ہوا تو میں وہاں سے بھاگ آئی۔

ستارہ نے من گھڑت کہانی سُنا کر شمیم کے دل کو اور گداز بنا دیا۔

یہ تو تم نے بہت اچھا کیا ...... لیکن ماں کے پاس کیسے پہنچو
گی۔

ویسے تمہاری ماں کہاں ہے۔

لاہور کے پاس پریم نگر ایک گاؤں ہے .... وہاں ....

ستارہ نے بغور دیکھا۔

اچھا ...... جی تو نہیں چاہتا کہ تم جاؤ ...... لیکن میں تمہیں روک
بھی نہیں سکتی آخر تم نے اپنے گھر جانا ہی ہے۔

شمیم کو ستارہ پر بہت رحم آنے لگا۔

ستارہ خاموش رہی۔

لیکن آپا ...... آپ سے ایک بات کہنا ہے۔

ستارہ خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

ہاں ہاں کہو .... کیا بات ہے۔

میں امین کی عدم موجودگی میں نکل جانا چاہتی ہوں .... آپ بُرا نہ منائیے .... مجھے اُس سے بڑا ڈر لگتا ہے۔

ستارہ دراصل بات چھپا گئی۔

اچھا .... اچھا .... میں سمجھ گئی .... وہ چند دنوں میں رائے ونڈ جانے والا ہے .... تم اس کی عدم موجودگی میں رفو چکر ہو جانا۔

شمیم نے بتایا۔

پھر ایک دن اپنی جمع شدہ پونجی لیے جو اُس نے شمیم کے پاس رکھی تھی لے کر بڑے محتاط انداز میں گھر سے نکل کھڑی ہوئی .... وہ تین سال کے بعد ماں کے پاس جا رہی تھی۔ شدتِ گریہ سے اُس کا رواں رواں چیخنے لگا تھا۔ وہ یہاں آنے سے پہلے کیا تھی ..... آسمان پر پرواز کرنے والا وہ بادل جو پاکیزہ پانی سمیٹے دھرتی دھرتی سیراب کرتا پھرے .... اور کوئی آندھی اُسے اڑا نہ سکے۔

اور اب وہ پستیوں میں اترنے والی کمتر ستارہ تھی .... دنیا کی ہیچ ترین شے جس کو خود اپنے آپ سے گھن آتی تھی .... وہ کیا تھی اور کیا بن گئی۔

ہر ذی روح اُس پر تھوک سکتا تھا ٹکٹ لیے وہ گاڑی کی سیٹ

ڈھ گئی ......

چادر سے چہرا چھپائے ...... مبادہ کوئی شکیل کا کارندہ نہ لے .... وہ پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں کسی دوسری ت کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکتی تھی۔ کراچی سے لاہور کا سفر اس طویل راستہ اُس نے سیٹ پر اکڑوں وہ بیٹھ کر بسر کیا۔ خدا خدا کر کے ر اسٹیشن آیا اور اُس نے اپنی زمین پر قدم رکھا .... جہاں لی بڑھی تھی۔ لاہور اسٹیشن پر اُترتے اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دیوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو اور سکون ملے گا تو یہاں۔

تانگے والا چلے گا۔ پریم نگر

ہاں جی کیوں نہیں۔

تانگے والے بوڑھے نے گھوڑے کا رُخ پریم نگر کی جانب کر

وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

نصف گھنٹے کے بعد تانگہ پریم نگر پہنچ چکا تھا۔

چند ایک کھلی کھلی گلیاں پار کر کے اُس نے ایک سڑک پر تانگے والے رُکنے کے لئے کہا۔

وسیع سڑک کو عبور کر کے گیٹ کے سامنے تانگہ رُک گیا۔

بس بی بی

بوڑھے نے کہا۔

ہاں بابا ...... وہ اترتے ہوئے بولی۔

کرایہ ادا کرکے وہ گیٹ کے اندر چلی گئی۔

جہاں چوکیدار نے اُسے رُوک لیا۔

ٹھہریں جی .... کون ہیں آپ

چوکیدار خان بابا نے کہا۔

یہ میاں کریم بخش کا گھر نہیں .... میں اُن کی بیٹی ہوں۔

ستارہ نے اپنا تعارف کروایا۔

ہنیں جی نہیں .... یہاں تو سیٹھ جمیل الدین بال بچوں سمیت رہ رہے ہیں۔

خان بابا نے انجان بن کر کہا۔

خان جی کیا بات ہے۔

دُوسری طرف سے بوڑھا مالی تیز رفتاری سے قریب آیا۔

بابا .... یہ بی بی کہہ رہی ہیں کہ یہ گھر میاں کریم بخش تھا

خان بابا نے کہا۔

اوہو .... خان بابا تمہیں شہر میں رہ کر بھی یہاں کے لُ کی پہچان نہیں۔

سیٹھ صاحب نے یہ مکان جس عورت سے خریدا ہے نا ....

وہ شاید اُس کی بیوی کا نام ہے۔

ستارہ لرز اُٹھی .... اُس کا گھر جس کو اُس کے باپ

کتنے الفتوں اور چاہتوں سے بنوایا تھا... اُس کے لیے......

آپ لوگوں کی بڑی عنایت ہو گی .... اگر مجھے یہاں کے بڑے لوگ مالک سے ملوا دو تو ....

ستارہ نے عاجزانہ انداز میں کہا۔

بہتر ...... میں سیٹھ صاحب سے پوچھتا ہوں۔

اس وقت شام سات کا عمل ہو گا .... سردی اپنے زوروں پر تھی ...... شام سے پہلے ہی چرند پرند بلکہ انسان تک اپنے اپنے ٹھکانوں میں جا گھسے تھے۔ سائیں سائیں کرتی تیز ہوا سینہ چیرتی گزر رہی تھی۔ درختوں کے پتے آپس میں بجتے تو ایک پُر اسرار سی بے ہنگم آواز رُوح کو جھنجھنا کر گزرتی۔ وہ موسم کے بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ایک ملازمہ نے اُسے اندر آنے کو کہا۔

آئیے بی بی .... بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔

ستارہ ملازمہ کے ساتھ .... ڈرائنگ رُوم میں چلی گئی......

اُس کا اپنا گھر جہاں وہ پیدا ہوئی پلی بڑھی .... اور آج یہ عالم کہ بغیر اجازت کے اندر داخل نہیں ہو سکتی تھی۔ اُس نے رخساروں پر بہنے والے آنسوؤں کو پلکوں کی دہلیز پر ہی روک لیا۔

وہ خوبصورت ایرانی قالین پر سنبھل سنبھل کر قدم رکھتے صوفے میں دھنس گئی۔

اُس کے ٹوٹے ہوئے بدن نے کتنی راحت محسوس کی تھی۔ اِس صوفے

میں دھنس کر۔

اچانک وہ گھبرا اُٹھی .... اور جلدی سے کھڑی ہوگئی۔

آداب ....

معمر قسم کی بارعب شخصیت بیگم جمیل الدین داخل ہوئیں۔ عمر اس قدر چالیس کے لگ بھگ رنگ سفید ناک نقشہ انتہائی مناسب بڑے باوقار اور شائستہ۔

آداب .... تشریف رکھیے ....

بیگم جمیل الدین نے اُسے سامنے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔

فرمائیے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتی ہوں۔

بیگم جمیل الدین نے کہا۔

اگر آپ محسوس نہ کریں تو میں اس مکان کے بارے میں جاننا چا گی۔

ستارہ نے بے تکلف کہہ دیا۔

اچھا .... اس گھر کے بارے میں .... یہ گھر ہمیں دو سال ہوئے۔ بیگم کریم بخش سے خریدا تھا .... بلکہ اپنی زمین بھی انہو نے بیچ دی ہے .... وہ بھی ہم نے خریدی ہے .... لیکن آ ....

بیگم جمیل الدین کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

میں بیگم کریم کی بدنصیب بیٹی ستارہ ہوں۔

اس کے ساتھ ہی ستارہ چہرہ ہاتھوں پر رکھے زار و قطار رو دی۔

ا آپ اتنے دنوں کہاں رہیں .... بڑا انتظار کیا انہوں نے آپ لا .... بیگم جمیل الدین صرف کوثر جہاں سے آشنا سن چکی تھیں۔ کہ ارہ کا شوہر اُسے باہر لے گیا ہے اور ابھی تک اطلاع نہیں آئی۔ لیکن ارہ سسکتی رہی۔

اُنہوں نے یہاں سے کچھ ہی فاصلے پر ایک مکان خرید لیا تھا .... ا خیال ہے ایک دو فلیٹ ہیں جن کا کرایہ آتا ہے انہیں .... جائداد ے انہیں کوئی سروکار ہی نہیں رہا۔ بیگم جمیل الدین دوبارہ بات مکمل کرنے یں۔

آپ مجھے لے جا سکتی ہیں وہاں .... وہ سسکیوں کے درمیان بولی۔

ہاں کیوں نہیں .... بہت نحیف ہو چکی ہیں .... آپ کو دیکھ ر شاید جان پڑ جائے۔

آپ کی بڑی مہربانی ہوگی .... مجھے وہاں پہنچا دیجیے .....

ستارہ منت بھرے انداز میں بولی۔

کیوں نہیں .... لطیف ....

جی بیگم صاحبہ ....

لطیف قریب آتے بولا۔

گاڑی نکالو .... اور صاحب سے بولو کہ ہم لوگ بیگم کریم کے ں جا رہے ہیں .... جلد لوٹ آئیں گے۔

جی بہتر

چند لمحوں کے بعد لطیف آگیا........

چلیئے..........

لطیف نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا۔

دونوں بیٹھ گیئں۔

آدھے گھنٹے کے بعد گاڑی ایک گلی میں پختہ چھوٹے سے مکان
سامنے رُکی۔

دیکھو رضیہ کون ہے........

کوثر جہاں تاریک کمرے میں ہی آنکھیں پھاڑے بولیں۔

کوئی آیا ہے.......بڑی بیگم صاحبہ

ارے پگلی یہاں کون آئے گا.........کوئی نہیں ہے اب
.....ساری جائیداد میں نے فروخت کر دی.........اس مکان کو
نام کر دوں گی........کوئی نہیں ہے میرا......انہیں جیسے یقین
آیا ہو۔

کوثر جہاں جیسے اپنے نصیبوں سے جھگڑ رہی ہوں.....

ضرور آئے گا بیگم کریم.........صرف سانس باقی ہو......د

کون آیا ہے۔

بیگم کریم....ہیں.......یہ جمیلہ بیٹی.......

کوثر جہاں نے آنکھیں پھیلائیں........اور رضیہ نے بڑھ کر بتـ

دیکھیے کون ہے.........جمیلہ نے کہا۔ (بیگم جمیل الدین)

اتفاق سے جمیل الدین کی بیوی کا نام بھی جمیلہ تھا۔

کون ہے۔

کوثر جہاں نظر کمزور ہونے کی وجہ سے بغور دروازے کی جانب
ر بولیں۔

امیّ........میری امیّ.......

ستارہ مچل کر ماں سے لپٹ گئی.....

ستارہ...........میری بیٹی...........تم..........کیسے

...تم........

تم ستارہ ہونا........

وہ دونوں ہاتھوں سے چہرا تھامے تکنے لگیں۔

ہاں امیّ......میں ستارہ ہوں........بغور دیکھیئے.....

ہ دلیوار ہوں........

ماں بیٹی کے اس قیامت خیز ملاپ سے دل گرفتہ ہو کر بیگم جمیل
چپکے سے واپس لوٹ گیئں۔

ستارہ ماں کے سینے سے چمٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اپنی تعفن زدہ عصمت کی چادر کو دھونے کی ناکام کوشش کرنے
ہو۔

یری بچّی......تو تو پھولوں کے دلیس میں گئی تھی......یہ دُکھ

بھرے کانٹے کیوں ساتھ لے آئی .... تیرے وجود کی بربادی
یہ احساس دلا دیا ہے کہ تو خوش نہیں رہی .... کیا شکیل مر تو نہیں
گیا .... جو تری اتنے سال کوئی خبر نہیں آئی ۔ تو بیوا تو نہ
ہوگئی ....

نہیں ماں .... میں بیوا نہیں ہوں .... اور نہ
شکیل نے موت کو گلے لگایا ہے ۔ کاش .... وہ مر جاتا
مجھے رسوا کرنے سے پہلے .... تمہاری بیٹی برباد ہوگئی ہے
رسوا ہوگئی ....

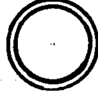
پھر تمام شب ستارہ نے اپنی بربادیوں تباہیوں کی داستاں ما
کے گوش گزار کر دی ۔ کہاں کہاں اُس کے جسم کی قیمت پڑی ۔ کہاں
اُس کے حسن کو بیچا گیا .... سارے دکھ اُس نے ماں کے
سامنے پھیلا دیئے .... سینے کا بوجھ کم ہوگیا ۔

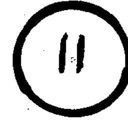
موذن نے اللہ اکبر کہا .... پو پھٹنے والی تھی ۔

اور کوثر جہاں نے اُسے سینے کے ساتھ لگا لیا ....

کوئی غم نہ کر میری بچی .... چل غسل کر لے .... تو اب
اُجلے پانیوں کی طرح پاک ہے .... اُس جھرنے کی طر
پاکیزہ ہے ...... جس کا پانی بلند و بالا پہاڑ کی کھوہ سے آئے اور
نہ جانے کہاں سے آرہا ہے چل اُٹھ میری بچی ۔ غسل کرنے کے بع
خدا کے حضور جھک جا .... بی بی جی پانی گرم ہوگیا ۔

رضیہ نے آکر کہا ۔
ستارہ غسل کرنے چل دی ۔
اور وہ سجدہ ریز ہوگئیں ۔
نہ جانے یہ سجدہ کیسا تھا ۔
گناہوں کی تلافی کا ۔
گزرے وقت کی نادانیوں کا
یا ...... تباہ حال بیٹی کے لوٹنے کا ......





مکان کے چھوٹے سے صحن کو ستارہ نے لان کی طرح پھولوں سے
سجا لیا تھا...... یا تنہا بیٹھ کر اپنے ذلت آمیز ماضی کو کھنگالنا اُس
کا کام تھا...... کبھی کبھی جب وہ اپنے تئیں سوچتی تو اُسے زندگی
بے معنی سی لگنے لگتی۔ کتاب زیست کا ایک ایک ورق گندگی اور غلاظت
سے اٹا ہوا تھا۔ وہ اُس سے بدنامی رسوائی اور نیلامی عزت کی دھول
کبھی نہیں اُتار سکتی...... حالات نے اُسے مسخ کر دیا تھا.....
وہ کہاں جانا چاہتی تھی اور پہنچ کہاں گئی۔ اورنگ زیب سے شادی ا
اب تک اِن چھ سالوں میں اُس نے کیا پایا۔ بلکہ کچھ نہیں سب کچ
کھو دیا..... اپنی بے داغ جوانی جس کے لٹنے کا اُسے کتنا غ
تھا وہ کرسی پہ بیٹھی سسک اُٹھی۔
ستارہ بیٹی..........

وثر جہاں اب لاٹھی کا سہارا لے کر چلنے لگیں تھیں...... وہ مسلسل
ث زمانہ کی چیرا دستیوں سے پریشان جسمانی طور سے بہت نحیف
تھیں۔
ی امی.........
ہ بے چین مضطرب اُٹھی...... اس آخری عمر میں وہ ماں کو
یت نہ دینا چاہتی تھی۔
ٹی کیا ہو گیا ہے...... کہا نا کچھ نہ سوچا کرو...... خدا کا
شکر ہے تم میری زندگی میں مجھے مل گئیں...... اگر میری موت
ہو جاتی تو نہ جانے میری روح کہاں بھٹکتی پھرتی۔
وثر جہاں اُداس ہو گئیں۔
نہیں امی...... ایسی کوئی بات نہیں...... ویسے ہی ذرا
یال آ گیا تھا۔ وہ زبردستی ہونٹوں کو متبسم کرتے بولی۔
پرانی یادوں کو مت ذہن میں لایا کر...... کوئی ایسے خوشگوار
ت نہیں ہوں گے کوثر جہاں اُس کے سامنے آرام کرسی پر بیٹھ

کیا کروں امی یہ ماضی آسیب کی طرح میرے ساتھ چمٹا ہوا
سی طریقے سے جان نہیں چھٹتی۔
وہ بڑے کرب ناک انداز میں کرسی کی پشت پر سر رکھ کے بولی۔
رضیہ ٹرے میں چائے لے آئی تھی۔

لو چائے پیو.......

کوثر جہاں نے کہا.........

اور وہ چائے بنانے لگی.........

بیگم جمیل الدین بڑی اچھی عورت ہے......اُن کے چلی جایا کرو بیٹی

کوثر جہاں نے کہا۔

ہاں امّی.... مجھے یاد آیا .... یہ آپ نے ساری جائیداد کیوں بیچ دی۔

ستارہ نے کُرسی پر پہلو بدلا۔

کیا کرتی .... کون تھا میرا .... جو سب کچھ کرتا.... تمہارے ملنے کی کوئی اُمید نہ تھی .... منشی کچھ تھک سا گیا تھا ...... یا وہ کام میں دلچسپی ہی نہیں لے رہا تھا..... اس لیے سارا کچھ بیچ کر اس مکان پر اکتفا کیا.........

روپیہ ابھی تک سارا بنک میں جمع ہے .... تمہیں ضرورت ہو تو لے سکتی ہو......... میں نے کیا کرنا ہے .... سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔

یہ سونے چاندی کے سانپ مجھے ڈستے ہیں امّی ...... یہ ہی ان کا زہر میری نس نس میں اُتر چکا ہے .... اب دل نہیں مانتا .... کیا دیا مجھے دولت کے تعاقب نے۔

وہ بڑی مایوس ہو چکی تھی۔

اتنی مایوس اور لاچار ہونے کی کیا ضرورت ہے بیٹی .... دولت پھر بھی آرام و آسائش کا ایک وسیلہ ہے۔

کوثر جہاں نے پھر ستارہ کو دنیا کی رنگینیاں سمیٹ لینے کی دعوت دی۔

ہنہ ....

وہ گردن ٹکا کر سکون سے آنکھیں بند کئے بیٹھی رہی۔

اور وہ چائے پیتی رہیں ....

دونوں ایک ہی محور کے گرد گھوم رہی تھیں ...... لیکن انداز جُدا جُدا تھے۔

کوثر جہاں سب کچھ تباہ ہونے کے بعد بھی بیٹی کو شادماں دیکھنا چاہتی تھیں۔ اور ستارہ جو ماضی کے تباہ خیز طوفانوں میں خس و خاشاک کے مانند بہہ چکی تھی .... اب واپس وہ کوئی ساحل تلاش نہ کرنا چاہتی تھی .... بلکہ ایسا کنارہ جو تیز و تند موجوں کے تھپیڑوں سے ٹوٹ پھوٹ جائے .... اُس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہے۔

کئی سورج تاریکیوں میں ڈوب گئے کئی دن .... کئی راتیں یونہی گزر گئیں ..... کئی چاند اُبھرے بیٹی .... جاؤ کہیں ہو آؤ ...... تمہارا دل نہیں چاہتا .... کوثر جہاں اُس کی تنہائی دُور کرنا چاہتی تھیں۔

کہاں جاؤں امّی.......

ستارہ بے دلی سے بولی۔

ارے تمہاری سہلیاں کیا ہوئیں........ان پانچ چھ برسوں م

بھول گئی ہوں گی.....

کوثر خوش ہو کر بولیں۔

ہاں امّی.....آپ درست فرما رہی ہیں.......بھولی تو نہیں ہوں گی۔

لیکن میرے بارے میں کیا سوچیں گی۔

کئی آنسو لڑھک کر اُس کی اپنی قمیض کے دامن پر ٹھہر گئے اُس نے سسکی کو سینے میں ہی دبالیا........مبادہ کہ ماں کو علم ہو جائے..... وہ پہلے ہی اُس کی عدم موجودگی میں رو رو کر بینائی کھو بیٹھی ہے وہ ماں ک اور دکھ نہ دینا چاہتی تھی۔

ستارہ بیٹی خوش رہا کرو .... زندگی میں انسان کے ساتھ ہر ط کے حادثات وابستہ ہیں....... اگر اچھے واقعات منسلک ہیں تو بُر بھی ہو سکتے ہیں۔ کوثر جہاں نے دور سامنے گیٹ کی جانب دیکھا.... بیگم جمیل الدین کا ملازم آرہا تھا۔

یہ کون ہے۔

کوثر جہاں نے بینائی کمزور ہونے کی وجہ سے آنکھیں پوری کھو کر دیکھا۔

معلوم نہیں امّی.......میں تو جانتی نہیں.........

ستارہ نے بغور دیکھ کر لاعلمی کا اظہار کیا۔

قریب آکر نووارد نے کوثر جہاں کو مؤدب سلام کیا۔

آداب اماں جی

ارے یہ تو انور میاں ہے........ستارہ بیٹی بیگم جمیل الدین کا نماں......

کوثر جہاں نے ستارہ سے تعارف کروایا۔

سلام بی بی.....

انور نے ستارہ کو ہاتھ پیشانی تک لیجا کر سلام کیا۔

ہ نے معمولی گردن ہلائی اور کرسی سے ٹیک لگا کر دور خلاؤں میں جانے کیا تلاش کرنے لگی۔

کیسے آنا ہوا.......انور میاں......

کوثر جہاں بڑی خوش خلقی سے پیش آرہی تھیں.....

بیگم صاحبہ نے بلایا ہے جی.......کہہ رہی تھیں کہ ارسلان کی ج سالگرہ ہے۔ آپ کو اور ستارہ بی بی کو لے آؤں۔

ستارہ نے چونک کر ناگواری سے دیکھا۔

کسی اور کو نہیں بلایا ....بس ہم سب گھر پر خود ہی کر رہے ں...... یا بیگم صاحبہ کا بھائی ہے۔

ہوں......

وہ کھڑا ہو گیا۔

جلدی کیجئے .... گاڑی باہر کھڑی ہے۔

چلو بیٹی ہو آؤ ....

لیکن امیّ ...... میری تو کسی کے ساتھ اتنی شناسائی بھی نہیں۔

ستارہ جانا نہ چاہتی تھی ..... وہ اپنے ساتھ اپنے ماضی کو برہنہ چہ
چھپکائے پھر رہی تھی کہ کوئی دیکھ نہ لے ۔

تمہارا دل بہل جائے گا میری بچی .... اتنے عرصے تم نے
کہاں ایسی گھریلو خوشیاں دیکھی ہیں۔

کوثر جہاں کا دل جیسے پگھل سا گیا ...... لیکن اُنہوں نے ظاہر
ہونے دیا۔

اچھا امیّ آپ کہہ رہی ہیں تو میں چلی جاتی ہوں ...... ویسے میرا
تو نہیں چاہتا۔

ستارہ غمزدہ سی ہوگئی۔

میں چلتا ہوں .... آپ تیار ہو کر آجائیے گا ۔

انور جاتے جاتے بولا ۔

چلو بیٹی .... اتنے خلوص سے وہ بُلا رہی ہے ...... اُ
نہ کرو ......

کوثر جہاں نے بچوں کی طرح اُسے پچکارا ..... مجبوراً ستارہ
پڑا۔

اچھا امی۔

ستارہ کھڑی ہوگئی۔

سنو .... ادھر والے کمرے میں تمہاری کپڑوں والی الماری
کھلی ہے ...... کوئی ڈھنگ کی ساڑی پہن لینا۔

کوثر جہاں نے اپنی قمیض کے اندر جیب سے چابیوں کا گچھا ستارہ
کی جانب بڑھایا۔

الماری ....

ستارہ نے اپنے ذہن پر زور دیا

ہاں بیٹی .... شکیل نے تمہیں لے جانے ہی کیا دیا تھا ......
سوائے تمام زیورات کے .... کپڑوں کے تو چند جوڑے تمہارے
پاس تھے۔

ہاں امیّ ....

ستارہ نے ٹھنڈی سانس بھری ....

ایک لمحے میں ماضی اُس کے سامنے تصویر کی مانند گھومنے لگا۔

میں ...... شکیل سے انتقام لوں گی .... گولی ماردوں
گی ....

ستارہ نے دانت پیسے .... وہ جل رہی تھی عداوت وشقاوت
کے شعلوں میں۔

مت دل کو جلاؤ .... امتحان خود قدرت لے گی اُس سے
ظلم کا وار خالی نہیں جاتا ....

لیکن میں نے تمہارا کیا بگاڑا تھا...... مجھے تم نے کس جرم کی سزا دی ہے.....

عین اِس وقت اورنگ زیب مکمل ہیولا بن کر اُس کے سامنے شکوا شکایت کی تصویر نظر آرہا تھا۔

اورنگ زیب میں ہمیشہ تمہاری مجرم رہوں گی۔ مجھے معاف کر دو......

مجھے معاف کر دو........ وہ دیوانہ وار کمرے میں بھاگی۔

تقریباً ایک آدھ گھنٹے کی تاخیر کے بعد ستارہ بیگم جمیل الدین کے ہاں پہنچی...... خوبصورت ڈرائنگ روم میں بڑی میز کے گرد تمام لوگ موجود تھے ننھا ارسلان کیک کے قریب اپنے ماموں کی اُنگلی پکڑے کھڑا تھا۔

امی جان.......... ستارہ باجی آگئیں۔

فوراً حاضرین محفل نے چونک کر ستارہ کی جانب دیکھا۔ سفید ساڑی اور سیاہ بلاؤز میں تراشیدہ بدن پھوٹ پھوٹ پڑ رہا تھا۔ لانبی سفید گردن پر آوارہ لٹیں جھول رہی تھیں..... بغیر میک اپ کے چہرہ اُس پر سوئی سوئی بڑی بڑی بادامی آنکھیں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

جاوید............

بیگم جمیل الدین نے اپنے بھائی جاوید کو بلایا۔

ان سے ملو.......... یہ ستارہ......... آنٹی کوثر کی بیٹی......

اور یہ ہیں جاوید ملک....... ایک بہت بڑی فرم کے مالک ہیں اور میرے بھائی۔

آداب........

جاوید نے نہایت بے تکلفی سے ہاتھ بڑھایا۔........ لیکن ستارہ نے مسکرا کر خالص مشرقی انداز میں ہاتھ پیشانی تک لیجا کر جواب دیا۔

معاف کیجئے........

جاوید نے خفیف سا ہو کر ہاتھ واپس کر لیا۔

اور بیگم جمیل الدین ہنس دی۔

یہ پاکستان بھیا......

حاضرین میں سے آواز آئی۔

اس کے ساتھ کئی فلک شگاف قہقہے اُبھرے........ لیکن وہ خاموش متبسم ہونٹوں کو سیکڑے کھڑی رہی۔

جاوید کھسیانے سے مسکرائے۔

آؤ نا...... ستارا ارسلان کے پاس۔

بیگم جمیل الدین نے بڑی چاہت سے کہا۔

اور وہ ساڑھی کا پہلو لہراتی ارسلان کے پاس چلی گئی۔

ارسلان نے ستارہ کی مدد سے کیک کاٹا..... اس کے ساتھ ہی دعا اور سلامتی کی باتیں شروع ہو گئیں.......... تمام لوگ اپنی منتخب سیٹوں پر بیٹھ گئے۔

ستارہ آئیے........ پلیز تشریف رکھیئے۔

جاوید اُتنا ہی شائستگی سے اپنے ساتھ لے گیا ...... اور دونوں قریب قریب بیٹھ گئے۔

وہ ستارہ کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا ...... ستارہ اُس کی نظروں میں کھب سی گئی تھی جاوید اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھا خوبرو اور باوقار عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ امریکہ اور دیگر کئی ملکوں میں اُس کا بزنس چل رہا تھا...... دولت اُس کے گھر کی لونڈی تھی۔ بیگم جمیل الدین سے سب سے چھوٹے ممبر پر تھا۔ بیگم جمیل الدین کا خاندان اعلیٰ پائے کا مہذب خاندان تھا۔

باتوں باتوں میں رات گزرنے کا احساس تک ہی نہ رہا۔

تمام مہمان باری باری رخصت ہو رہے تھے۔

اس ملاقات میں وہ ستارہ سے کافی گھل مل سا گیا تھا۔

اب اجازت دیجئے۔

ستارہ چونک کر کھڑی ہوگئی۔

ٹھہریئے ——— میں آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔

جاوید بڑی اپنائیت سے بولا۔

ارے نہیں .... جاوید صاحب آپ آرام کیجئے...... میں چلی جاؤں گی۔

ستارہ نے پُرتکلف انداز میں کہا۔

اب آرام اپنی قسمت میں کہاں .... آئیے....

جاوید نے ذومعنی جملہ کہا .... وہ اتنی بھی کوڑھ مغز نہ تھی کہ جاوید کی بات نہ سمجھتی۔

ہاں ہاں ستارہ چلی جاؤ ...... جاوید تمہیں چھوڑ آئیں گے۔

بیگم جمیل الدین نے خاصی مشکل حل کر دی تھی۔

اب وہ زیادہ انکار نہ کر سکی ...... ویسے بھی رات بیتی جا رہی تھی۔

اس وقت رات کے بارہ بجنے کو آئے تھے۔ اگر وہ تنہا آتی توکس طرح دونوں چلتے ہوئے بیرونی لان کے مغربی گوشے کے پاس آ گئے جہاں پورچ کی ایک طرف سفید گاڑی کھڑی تھی۔

جاوید نے اپنے ساتھ اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا ... وہ بیٹھ گئی اور جاوید دروازہ بند کر کے خود گاڑی کی پچھلی جانب سے ہوتا ہوا سٹیرنگ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ گاڑی سٹارٹ ہوگئی۔

چند لمحوں کی معمولی مسافت طے کرنے کے بعد ستارہ کا گھر آگیا۔

شکریہ

وہ گاڑی سے نکلتے ہوئے بولی۔

سنیئے......

جاوید نے کہا۔

فرمائیے.....

ستارہ نے پلٹ کر کہا۔

اب ملاقات کب ہو گی۔

ایسی ضرورت بھی کیا ہے۔

وہ لاپرواہی سے بولی۔

اور بیرونی برآمدے کا زینہ چڑھ گئی۔

اور وہ منہ لٹکائے واپس آ گئے۔

ستارہ جاوید کے حواس پر چھا چکی تھی۔ گو جاوید ایک مہذب سمجھدار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تھا...... کسی لڑکی کی صورت اُس کی کمزوری نہ بنی تھی اور نہ ہی وہ عام نوجوانوں کی طرح دل پھینک واقع ہوا تھا۔ لیکن ستارہ اُس کی کمزوری بن چکی تھی......

چند دن یونہی گزر گئے۔

جاوید بیگم جمیل الدین کے کاموں میں الجھا رہا...... اُسے ستارہ کے جانے کا اتفاق ہی نہ ہوا........

آپا........

وہ قدِ آدم آئینے میں نکٹائی درست کرتے بولا۔

ہوں......

وہ ڈرائنگ روم کی جانب جاتے جاتے بولیں۔

میں ستارہ کے ہاں جا رہا ہوں۔

تو جاؤ...... اس کام کے لیے میری اجازت بہت ضروری ہے۔

بیگم جمیل الدین نے ہنس کر کہا۔

ہوں........ ٹھیک...... واقعی یہ کوئی ہے اجازت والی......

خود بھی خفیف سا ہنس دیا........

بیگم جمیل الدین تو اِس بارے میں سوچ بھی نہ سکتی تھیں...... کہ اُس کے ایسے خیالات ہوں گے۔

میرا مطلب...... آپ چلیں گی۔

وہ بولا۔

نہیں بھئی...... مجھے تو معاف ہی رکھو...... کام بہت ہے۔

وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر ادھر چلی گئی۔

اور جاوید گاڑی میں ستارہ کے ہاں چل دیا۔

گاڑی سڑک پر رُو کے وہ ہونٹوں کو گول کیے سیٹی بجاتے بیرونی برآمدے کا زینہ چڑھ گئے۔ اور کال بیل پر اُنگلی رکھ دی۔

اس کے ساتھ ہی رضیہ باہر نکلی۔

کیا بات ہے بابو جی

خالہ جان سے ملنا ہے۔ کہو جاوید آیا ہے۔

وہ شائستگی سے بولے۔

اچھا میں اطلاع کر دوں

وہ اندر چلی گئی۔

بڑی بی بی...... کوئی نوجوان آپ سے ملنا چاہتا ہے......

نوجوان کہہ رہا تھا۔

رضیہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

سامنے پلنگ پر لیٹی ستارہ نے آنکھیں کھولیں ...... اُس کی چھٹی حِس
بیدار ہو چکی تھی کہ ضرور باہر آنے والا نوجوان جاوید ہو گا۔

ارے پاگل رضیہ .... تو اُس کا نام پوچھ کے آ۔

ستارہ زچ ہو گئی۔

ہاں یاد آیا۔ نام تو وہ جاوید بتا رہا تھا۔

اس کے ساتھ رضیہ ٹوٹے پھوٹے دانت نکال کر خوب ہنسی

ہاں ہاں .... جا بلا لا ..... وہ تو بھائی ہے بیگم جمیل الد
کا۔

کوثر جہاں کی بات سنتے ہی وہ بھاگی اور جاوید کو لے آئی۔

آداب

جاوید نے بے حد مؤدب انداز میں کوثر جہاں کو سلام کیا۔

ستارہ نے نظر بھر کر جاوید کا سراپا دیکھا .... جاوید لباس
معاملے میں انتہائی سلیقے سے کام لیتے تھے۔ آج وہ انتہائی
اور جاذبِ نظر دکھائی دے رہے تھے۔

جاوید کوثر جہاں کے سامنے صوفے پر دراز ہو گئے۔ اور
پہلے ہی خاموش بیٹھی تھی۔

ستارہ کیسی ہیں آپ

وہ کوثر جہاں کی موجودگی میں پُرتکلف انداز میں بولے۔

ٹھیک ہوں .....

ستارہ مُسکرا دی

تم لوگ باتیں کرو .... میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔

کوثر جہاں اُٹھتے ہوئے بولیں۔

امی بیٹھیے نا ..... رضیہ کو کہیے چائے بنا لائے گی۔

ستارہ نہیں چاہتی تھی کہ اُس کی ماں اِس عمر میں کام کرے۔

کوئی بات نہیں بیٹی ......

وہ کمرے سے نکل گئیں۔

کوثر جہاں کے جاتے ہی جاوید ہنس دیئے۔

آپ کو ہنسی کس بات کی آئی۔

ستارہ نے کہا۔

اس لیئے کہ بوڑھے آدمی کو چلتے پھرتے رہنا چاہیئے۔ زیادہ بیٹھنا
نہیں ....

وہ ہونٹوں کے اندر پھوٹنے والی ہنسی کو دبا رہے تھے۔

جانے دیجیئے میں آپ کی بات سمجھتی ہوں۔

ستارہ بڑی دلربائی سے بولی۔

اور وہ ساری جان سے نثار ہو گئے۔

ہاں ستارہ .... چلو کہیں باہر چلیں .... آج موسم
خوبصورت ہے۔

میرا خیال آؤ تمہیں راوی کی سیر کرواؤں۔
وہ بڑی خوش دلی سے مسکرائے۔
نہیں ۔۔۔۔۔۔۔ جاوید جی نہیں چاہتا۔
وہ چند ثانیے پہلے کی ستارہ نہ رہی اور اداس ہو گئی۔
کیا ہو گیا۔۔۔۔۔۔
جاوید نے چونک کر ستارہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔۔۔
جہاں اُداسیوں کے انگنت سائے لہرا چکے تھے۔
مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے گزشتہ حالات کی وجہ سے پریشا
ہو ———————
جی۔۔۔۔۔۔ ستارہ کا سانس سینے میں اٹک گیا ۔۔۔۔۔ کیا معلوم آپ
دور کہیں گہرے کنوئیں سے بول رہی ہو۔
یہی کہ تمہارے شوہر کے ساتھ حالات ٹھیک نہیں رہے او
تم دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔۔۔۔۔۔ اور بس ۔۔۔۔۔۔ اور ویسے جب
دو فریقین میں نہ بنے تو علیحدہ ہونا بہتر ہے۔
جاوید کی بات سے ستارہ کا اکھڑا ہوا سانس دوبارہ درست
ہوا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اُس کا تعفن زدہ گندہ ماضی اُس کے حا
پر مسلط ہو کر اور ویرانیاں اور پریشانیاں پیدا کرے۔ وہ کوثر جہا
کے حکم کے مطابق گزرے واقعات کو یکسر فراموش کر کے اپنی زند
آسودہ بنا لینا چاہتی تھی۔

ی وہ اور کہنا چاہتے تھے کہ رحمو ٹرے میں چائے لیے داخل

ائے آگئے۔
تارہ بستر سے نکل آئی۔ آج حسن سوگوار ہے۔
جاوید نے بغور دیکھا ۔۔۔۔۔۔ اور ستارہ کے ہاتھوں کو چائے
دیکھنے لگا۔
یرا خیال تھا چائے کہیں باہر پیتے۔
جاوید نے کہا۔
وئی بات نہیں ۔۔۔۔۔۔ رات کا کھانا باہر کھائیں گے۔
Good ۔۔۔۔۔۔ یہ تو بڑی اچھی بات کہی۔۔۔ بلکہ میرے دل کی بھی
رضی تھی۔
جاوید بہت خوش ہوئے۔
کیوں خالہ جان اگر آپ اجازت دیں تو ہم کہیں باہر نہ ہو آئیں۔
جاوید نے کہا۔
کیوں نہیں ۔۔۔۔۔۔ ضرور جاؤ ۔۔۔۔۔۔ ستارہ تو کہیں آتی جاتی ہی نہیں۔
کوثر جہاں نے جیسے شکایت کی۔
چلیئے جی۔۔۔۔۔
جاوید نہایت شریر موڈ میں نظر آ رہا تھا۔
اس لباس میں ۔۔۔۔۔۔ چند سکینڈ لباس تبدیل کرنے کو تو دیجیئے۔

ستارہ نے کہا۔

ٹھیک ہے...... جائیے تبدیل کر لیجیے لباس۔

جاوید واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

اور کوثر جہاں ہنس دیں۔

بیٹا...... میں ستارہ کو پہلے جیسی ستارہ دیکھنا چاہتی ہوں..

بیٹی بڑی شوخ و شنگ تھی..... حالات زمانہ نے اس کی زندگا زہر گھول دیا ہے۔ کاش دوسری لڑکیوں کی طرح اس کے مقدر بھی ہوتے...... یہ بھی شوہر کے دل پر راج کرتی...... آخر کس چیز کمی ہے میری بیٹی میں...... اچھی تعلیم...... خوبصورت خوب اعلیٰ خاندان...... وہ دلگیر آواز میں سسک اٹھیں......

آپ جذباتی نہ ہوں...... خدا بہتر کرے گا۔

جاوید نے کوثر جہاں کے شانے پر تھپکی دی.........

آگئی ہے شاید.....

کوثر جہاں نے ستارہ کی قدموں کی چاپ سن کر چہرے کو صاف کیا۔

چلیئے....

دونوں دروازہ کھول کر بیرونی برآمدے کا زینہ پار کر گئے۔





۱۲

جاوید.......

ماہانہ رسالہ ایک طرف رکھتے ہوئے بیگم جمیل الدین نے پکارا۔

جی آپا

وہ اپنے کمرے میں جاتے جاتے رُکے۔

تمہیں یہاں آئے ہوئے ایک ماہ ہو گیا ہے...... بھابی سے

ملا تو نہیں ہو گیا۔

بیگم جمیل الدین نے مذاحیہ کہا۔ لیکن وہ جاوید کے بارے میں بے

بھی تھیں۔

ارے نہیں آپا...... کچھ کام تھے جو نبٹانے والے تھے......

سے ہو جائیں تو چلا جاؤں گا۔

جاوید ہنس دیئے

میرا مطلب یہ نہیں ہے ... تمہاری بہن کا گھر ہے ..... مسئلہ فرح

کا ہے ..... تم نے ایک ماہ میں ایک مرتبہ بھی اسلام آباد کا چکر نہیں

لگایا۔

بیگم جمیل الدین نے جیسے اُسے کچھ یاد کروایا۔

واقعی آپا ... بچے بھی کیا سوچتے ہوں گے۔

جیسے خود ہی وہ شرمسار سا ہو گئے ... اور ندامت سے زیر بار

دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا اور گوہر مقصود اندر داخل ہوا۔

آ ..... ہا .... ستارہ ..... بھئی بہت اچھے وقت پر آئی

ہماری آپا بڑے بور موضوع کی طرف بڑھ رہی تھیں۔

بیگم جمیل الدین نے چونک کر دیکھا جاوید بڑے ہی دلچسپ انداز

ستارہ کے سراپا کو گھور رہا تھا۔

ستارہ اس وقت سفید سرمئی اور سبز شیڈ کی ساڑھی میں ملبوس تھی

بال سلیقے سے شانوں پر بنائے ہوئے تھے۔

آؤ ستارہ ..... کیسی ہو۔

بیگم جمیل الدین نے ستارہ کو اپنے قریب بیٹھنے کو کہا۔

آؤ ستارہ میرے کمرے میں ..... کیرم کی ایک بازی ہو جائے

وہ بے تکلف ستارہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف لے گ

اور بیگم جمیل الدین دیکھتی رہ گئیں ..... کئی اندیشے وسوسے اُن کے

منڈلانے لگے۔

یہ آپ کیا کر رہے ہیں ..... اُنہیں تنگ سا ہو گیا ہے۔

ستارہ نے کسمسا کر ہاتھ چھڑانا چاہا۔

کوئی غم نہ کرو ..... آپا بہت اچھی ہیں ..... وہ میری کیفیت

ی ہیں۔

جاوید نے شانوں سے ستارہ کو تھام لیا۔

مجھے چھوڑ تو دیجئے۔

ستارہ نے دلربائی سے آنکھیں پھیر لیں۔

اُف یہ ادا ..... کافر انداز ..... وہ گھائل سے ہو گئے۔

ایسا نہ کہو ..... یہ ہاتھ اب چھوڑنے کے لیے نہیں پکڑے

جاوید انتہائی عالم الفت میں ستارہ کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر آنکھوں

ے گئے۔

اور وہ پوری جان سے لرز گئی۔

اتنی پذیرائی ... اتنی سچائی ..... وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی دوسرے

اُس کا اندازِ خود سپردگی اُسے جاوید کے چوڑے چکلے سینے

ے گیا .....

وہ سما جانا چاہتی تھی۔ دنیا ما فیہا سے بے خبر دنیا کی لالچی نظروں

دور جاوید میں کھو جانا چاہتی تھی۔

آفتاب راوی کی گود میں جا بیٹھا تھا شام کے دھندلکے چھانے

ے تھے .....

جاوید اور ستارہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئے تھے بیگم جمیل الدین کو بہت تشویش سی ہونے لگی تھی ...... جاوید کو ستارہ میں اتنی غیر معمو دلچسپی نہیں لینا چاہیئے۔ آخر وہ تین بچوں کا باپ اور ایک وفا شعار بیو کا شوہر ہے۔

عین اس وقت سیٹھ جمیل الدین ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے۔

آپ آگئے ......

بیگم جمیل الدین حیرت سے بولیں ..... کیونکہ سیٹھ جمیل الدین کا آج اسلام آباد جانے کا پروگرام تھا۔ ہوں ...... بس آ ہی گیا .... کچھ کا تھے ..... سوچا نپٹا لوں تو پھر کچھ اور کروں ...... آخری لفظ پر اُنہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا ......

جاوید کہاں ہے .....

ابھی آئے نہیں دونوں ......

بیگم جمیل الدین کچھ پریشان نظر آ رہی تھیں۔

تو آجائیں گے ...... اس میں اِس قدر افسردہ ہونے کی کیا بات ہے۔

سیٹھ جمیل الدین نے عام نظریے کے تحت کہہ دیا ..... شاید وہ معاملہ فہم واقعہ نہ ہوئے تھے۔

عین اس وقت دونوں ہنستے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے

آداب

سیٹھ جمیل الدین کو دیکھ کر وہ رک سی گئی۔ اور سلام کہہ دیا۔

ارے بھائی جان ..... آپ تو اسلام آباد جا رہے تھے۔

جاوید نے خفیف لہجے میں کہا۔

سیٹھ جمیل الدین جاوید کی طرف متوجہ ہو گئے ...... اور ستارہ دوسری ب سے بیگم جمیل الدین کے پاس سے نکل گئی۔ وہ زیادہ دیر سیٹھ جمیل ین کا سامنا کرنا نہ چاہتی تھی۔

ٹرن ٹرن ...... فون کی گھنٹی بڑے زور شور سے بج رہی تھی۔

کون ہے ......

بے ساختہ بیگم جمیل الدین نے ریسیور کو کان کے ساتھ لگایا۔

ارے ..... فریحہ ..... کیسی ہو ...... عدنان عاشی گڈو ے ہیں .....

بیگم جمیل الدین ایک ہی سانس میں کہہ گئیں۔

بالکل ٹھیک ہوں ...... جاوید چند دنوں کے لیے لاہور آئے ے ..... اب میرا خیال ہے ایک ماہ ہو گیا ہے ..... ابھی ان کا کام ل نہیں ہوا ..... نہ ہی فون کیا۔

دوسری طرف سے فریحہ نے کہا۔

ابھی ابھی باہر سے لوٹا ہے ...... تم خود ہی بات کر لو۔

جاوید ..... جاوید ...... ارے غفار جاوید کو بلاؤ ......

بیگم جمیل الدین نے ریسیور پہ ہاتھ رکھے ہولڈ کیا۔

وہ ستارہ بی بی کو چھوڑنے چلے گئے جی......

اچھا..... بیگم جمیل الدین نے دانت پیسے...... اُنہیں جاوید کی اِس حرکت سے شدید غصّہ آیا۔

فریحہ......

وہ پھر رلیسور کو منہ لگا کر زور سے بولیں......

مجھ سے غلطی ہوگئی فریحہ...... جاوید گھر میں نہیں ہے......

تمہارے بھائی کی گاڑی پورچ میں داخل ہوئی تو میں جاوید سمجھ بیٹھی۔

دانستہ بیگم جمیل الدین کو جھوٹ بولنا پڑا وہ فریحہ کا دل میلا نہ کرنا چاہتی تھیں۔

بیگم جمیل الدین ہیلو ہیلو کرتی رہ گئیں اور درمیان سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔

ڈرائنگ ہال میں تمام ہی موجود تھے۔

اس لیے بیگم جمیل الدین نے جاوید سے بات کرنی مناسب نہ سمجھی۔ ارسلان اور نوید کھانا کھا کر جا چکے تھے... سیٹھ جمیل الدین بھی اُٹھ گئے۔

جاوید بیٹھو...... میں نے تم سے ایک بات کرنی ہے۔

بیگم جمیل الدین کی آواز میں کچھ سختی سی محسوس کرتے وہ مسکرائے۔

خیریت...... کوئی خاص بات ہی معلوم ہوتی ہے۔

جاوید نے کہا۔

خاص ہی ہے...... میں دیکھ رہی ہوں تم اپنے بیوی بچّوں سے دُور ہوتے جا رہے ہو........

وہ صاف صاف کہہ گئیں۔

بچّوں سے دور میں کیسے ہو سکتا ہوں...... یہ آپ کو کس نے کہہ دیا۔

وہ کچھ جھجک رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں کسی کیے گئے جرم کی سیاہی نظر آ رہی تھی۔

تمہیں ایک ماہ ہو گیا ہے یہاں آئے ہوئے...... بھول کر بھی بچّوں کو فون نہیں کیا وہ تلخ ہو گئیں۔

ہاں یہ آپ درست کہہ رہی ہیں...... واقعی میں فریحہ کو فون نہ کر سکا۔

لیکن کیوں...... کیا اُس کا تم پر کوئی حق نہیں۔ تمہیں اُس کا خیال رکھنا چاہیئے۔

بیگم جمیل الدین فوراً نرم پڑ گئیں...... مبادہ کہ جاوید بُرا نہ مان جائے۔

آخر بھائی ہے...... ناراض ہو کر کہیں چلا نہ جائے۔

چند لمحے کمرے میں مکمل سکوت رہا۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہ بولا۔

...... آخر جاوید نے جرأت کی۔

آپا......

وہ آہستہ سے بولے۔

ہوں.....

بیگم جمیل الدین نے چونک کر کہا۔

میں کئی دنوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں.......

جاوید الفاظ چبا چبا کر بول رہے تھے۔

مجھ سے......کہو! کیا بات.........

بیگم جمیل الدین کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی....... وہ جان چکی تھی کہ اب جاوید کیا اور کس بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں۔

دراصل آپا....... میں ستارہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

جاوید نے بے دھڑک کہہ دیا۔

اور بیگم جمیل الدین نے تڑپ کر جاوید کی طرف دیکھا....... جیسے جاوید نے ساری کائنات کو اُن کے سر پر کھڑا کر دیا ہو....... اور ابھی گری ابھی گری۔

یا اُن کے کلیجے پر بھرپور گھونسا مار دیا ہو....... اور اُن میں سانس لینے کی سکت نہ رہی ہو.......

یہ تم کیا کہہ رہے ہو....... فریحہ اور بچے.........

بیگم جمیل الدین کی آواز حلق میں اٹک گئی۔

میں فریحہ اور بچوں کا حق غصب نہیں کر رہا۔ نہ ہی فریحہ کو چھوڑ رہا ہوں....... بلکہ وہ مجھے عزیز ہے۔

جاوید جچے تلے الفاظ میں کہہ رہے تھے۔

اگر وہ عزیز ہے تو یہ ظلم کیوں کر رہے ہو، کیا دوسری شادی سے فریحہ کو دکھ نہ پہنچے گا۔

بیگم جمیل الدین نے کہا۔

آپا....... اس میں ظلم کی کونسی بات ہے....... وہ میرے بچوں کی ماں ہے۔ ساری جائیداد اُس کے نام کر دوں گا........... بلکہ کافی کچھ ہے.......

لیکن اس کے علاوہ بھی اُس کا نام پر حق ہے....... تم اُس کی ملکیت ہو۔

بیگم جمیل الدین نے کہا۔

ٹھیک فرما رہی ہیں آپ....... لیکن میری بھی کوئی حیثیت ہے....... میں اپنے حوالے سے جینا چاہتا ہوں....... اپنی مرضی کے لت.......

جاوید خفا سا ہو گیا۔

بیگم.........

سیٹھ جمیل الدین کے آجانے سے باتوں کا سلسلہ وہیں منقطع ہو گیا۔ اُن کے آجانے سے جاوید کمرے سے نکل گیا۔

کیا بات ہے....... تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو۔

سیٹھ صاحب تذبذب کے عالم میں بیگم کو دیکھتے رہے۔

نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔
وہ جان بوجھ کے بات چھپا گئیں ...... لیکن وہ عقاب کی آنکھ رکھتے
تھے۔
بیٹھتے ہوئے بولے۔
بیگم :- میں ایک بات کہنا چاہتا تھا ...... اگر آپ کی طبع نازک
پر گراں نہ گزرے تو.....
آپ کہیں تو سہی۔
بیگم جمیل الدین نے کہا۔
میں نہیں چاہتا کہ ستارہ اور جاوید میں اِس قدر بے تکلفی ہو کہ جا
اپنوں کو فراموش کر دے۔
جی.... ہاں ...... میں تو پہلے ہی پریشان ہوں ......
جاوید بہت ستارہ کو پسند کرنے لگا ہے۔
بیگم جمیل الدین نے سوچ کی اتھاہ گہرائیوں میں سے اُبھر کر کہا
وہ یہ بتانا مناسب نہ سمجھ رہی تھیں ...... کہ یوں لگتا تھا جیسے
سیٹھ سب کچھ سمجھتے ہوں۔
آپ کو کیا معلوم ...... اب باقی کیا رہ گیا ہے۔
وہ آہستہ سے گویا ہوئیں۔
کیا مطلب ؟
وہ چونکے .....

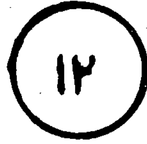
جاوید تو ستارہ کو پسند کرنے لگا ہے۔
وہ صرف اتنا ہی کہہ سکیں۔
پسند کرنے لگا ہے .... میں اُنہیں بہت بے تکلف دیکھ
ہوں۔
وہ حیرانی کے عالم میں چونکے۔
جی ہاں ...... یہ بھی ایک قیامت اُٹھے گی .... اگر جاوید .....
جانے بیگم جمیل الدین کو کیا ہوا .... اُن سے بات مکمل کرنا
ل ہو گیا .... وہ ہاتھوں پر چہرہ رکھے بُری طرح رو دیں۔
بیگم ...... کیا ہو گیا ہے ...... واللہ ...... تمہیں اِس قدر
پریشان دیکھنا ہماری برداشت سے باہر ہے ...... کیوں اپنے
ں پر بوجھ بنائے رکھا ہوا ہے۔
بتاؤ .... آخر بات کیا ہے۔ اگر تم جاوید کی وجہ سے
پریشان ہو تو تمہاری نادانی ہے۔
وہ آخری فقرے پر زور لگاتے بولے۔
جاوید ...... ستارہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔
بیگم جمیل الدین نے کہہ ہی دیا۔
ہوں ...... یہ بات ہے ...... اب سمجھا میں۔
وہ ٹھہرے سے گئے ...... جیسے اُنہیں پہلے سے علم ہو۔

دونوں میاں بیوی گم سم بیٹھے تھے۔ ملازم نے کھانے کی اط

دی۔

اور خاموش ڈائننگ ہال کی جانب بڑھ گئے۔





جاوید نے سگریٹ کا کش لے کر ایش ٹرے میں جھاڑنے کے

اکر ٹیبل کا طرف دیکھا اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھوٹ کر فرش پر

ا۔۔۔ اُس سے دو قدم کے فاصلے پر فریحہ کھڑی تھی۔

جاوید اچھل کر بستر سے اُٹھتے ہوئے چیخا ——— تم کیسے

؟"

بس آگئی ——— چاہے کسی طرح بھی

فریحہ کا لہجہ اُداس اور شکوہ شکایت سے لبریز تھا۔

جاوید نے باہیں پھیلا دیں۔۔۔۔۔۔ لیکن وہ پیچھے ہٹ گئی۔

فریحہ۔۔۔۔۔ ناراض ہو مجھ سے

وہ بھی اُداس لہجے میں بولا۔

میں کیسے ناراض ہو سکتی ہوں۔۔۔۔۔۔ آپ نے ایک ماہ میں ہماری

خبر تک نہیں لی۔

آخر کس گناہ کی یادداشت میں

فریحہ کا انداز بجھا بجھا سا تھا۔

دراصل یہاں ایک کام کے سلسلے میں رُک گیا ..... اور تو ایسی کو
بات نہیں .....

چلیں چھوڑیئے کسی اور بات کو ..... اب آپ میرے ساتھ ہی
گے۔

ارے نہیں ..... چند دن میں اور نہیں جاسکتا۔

جاوید کے دل پر گھونسا پڑا ..... ستارہ سے دوری اُس کی برد
سے باہر تھی۔

کیا مطلب؟ .....

عین اس وقت بیگم جمیل الدین کمرے میں داخل ہوئیں .....

فریحہ ..... تم ..... کب آئیں ..... اور چپکے چپکے .....

وہ حیران حیران سی بولیں ..... اور تم نے اطلاع بھی نہیں دی۔

آپا ..... ایسی کوئی پُرمسرت بات ہوتی تو آپ کو اطلاع دیتی
..... یقین جانیے ..... جاوید ایک ماہ سے گھر سے غائب ہے
مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ آپ نے بھی اسے واپس جانے کے
لیے نہیں کہا۔

فریحہ ..... میں .. مم ..... میں اسے کہتی رہی ..... لبر

کام میں ایسا الجھا .....

بس چھوڑیئے آپا ..... آپ کا بھائی تھا نا ..... اگر اور کوئی شخص
تا تو دیکھتی کس طرح وہ بیوی بچوں سے دور رہ لیتا۔

فریحہ کا انداز ترش تھا۔

اور بیگم جمیل الدین شرمندہ سی نظر آ رہی تھیں ..... حالانکہ
پوری طرح فریحہ کی طرف دار تھیں ..... وہ خود جاوید کو کوئی خط
ل قدم اُٹھانے کے لیے روک رہی تھیں ..... لیکن اِس وقت
وں نے پوری طرح بات کو نظر انداز کر دیا۔

دیکھو دیکھو ..... فریحہ! تم میری بہن کی توہین کر رہی ہو۔

جاوید سیخ پا ہوگیا۔

اچھا ..... بہن کی توہین کا تمہیں اتنا خیال ہے ... اور بیوی بچوں
نہیں کہ وہ تمہارے انتظار میں آنکھیں کھولے ہر وقت منتظر رہتے
ں۔

جاوید ..... مت بات کو زیادہ بڑھاؤ .....

اچانک جاوید اور بیگم جمیل الدین بُری طرح چونک گئے .....
یا لگا جیسے اُن کے سروں پر فلک بوس عمارت دھڑام سے آ گری ہو
..... جب رضیہ نے اندر آ کر کہا۔

سلام بی بی .....

آؤ رضیہ ..... کیسے آئی ہو .....

بیگم جمیل الدین نے کہا۔
جاوید صرف آنکھیں پھاڑے بیگم جمیل الدین کی طرف دیکھنے لگا۔
ستارہ بی بی بلا رہی ہے صاحب جی آپ کو .... جلدی چ
.... رضیہ نے دوپٹہ درست کرتے جاوید کو تاکید کی۔
فریحہ نے آنکھیں پھاڑیں ...... اُس کی روح جھنجھنا سی گئی۔ و
بیوی تھی .... جاوید کی بڑ بڑاہٹ دیکھ کر وہ کسی بھی شک
شبہ کی متحمل ہو سکتی تھی۔
چلو ...... میں آ رہا ہوں۔
جاوید نے رضیہ سے کہا۔
جی بہتر .....
رضیہ چلی گئی۔
ستارہ ...... ہنہ ...... کون ہے یہ ...... آپا بتاؤ نا..
یہ سب کچھ اپنے شوہر سے پوچھو ......
بیگم جمیل الدین جھنجھلا کر باہر آ گئیں۔
بولو جاوید .... یہ کون ہے ...... جس کا نام سُن ک
تم حواس کھو بیٹھے تھے .... اور آپا کی آواز میں بھی لکنت آ گئی
فریحہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تھی .... اُسے مکمل یقین ہو چکا تھا ک
ضرور ایسی بات ہے۔ جو اُس سے چھپائی جا رہی ہے۔
کھانا تیار ہے .... صاحب جی ...... بیگم صاحبہ بلا

ں ہیں ملازم کہہ کر باہر چلا گیا۔
چلو چھوڑو .... آؤ کھانا کھاؤ۔
جاوید نے معاملے کو رفع کرنا رہا۔
نہیں .... مجھے کوئی بھوک نہیں ہے۔
فریحہ پوری طرح خفا تھی۔
بھوک نہیں تمہیں ...... کیوں مذاق کرتی ہو ....
آؤ ...... دیکھو میں تمہیں دنیا کی ہر شے سے عزیز سمجھتا ہوں۔
وہ دائیں بازو کے ہالے میں فریحہ کو لیے باہر نکلا۔
ایک دم بیرونی راہ داری کا پردا سرکا اور زور سے گرا۔
ہوا ہے شاید .....
جاوید نے فریحہ کو اور قریب کر لیا۔ تم میرے بچوں کی ماں ہو۔
ں میں تکلیف نہیں دے سکتا۔
اور دونوں کھانے والے کمرے میں پہنچ گئے۔
فریحہ چند دن ہی پھر جاوید کو ساتھ لیئے اسلام آباد پہنچ گئی ....
گھر پہنچ کر جاوید پوری طرح کاروبار میں مدغم ہو گیا ..... لیکن
رہ فراموش نہ ہو سکی۔ اُس کا ہر رنگ ہر روپ جاوید کی نیند حرام
ا رہا .... وہ ہر شب کانٹوں پہ بسر کرتا رہا...
اکثر کبھی رات کو فریحہ کی آنکھ کھلتی تو جاوید کو بیدار دیکھتی ....
نیند نہیں آ رہی کیا۔

فریحہ نے کروٹ لی ...... اور پھر سوگئی ......

جاوید نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور سونے کی بے نام سی
کوشش کی۔

وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا۔

نہ وہ فریحہ کو چھوڑ سکتا تھا۔

اور نہ ستارہ سے ترک تعلق اُس کے بس میں تھا، اگر فریحہ اُس کی
کائنات تھی تو ستارہ اُس کے قلب وجگر کا سکون ......

آج اُسے ستارہ سے بچھڑے کئی ہفتے ہو گئے تھے آفس سے
کر اُس نے اپنے کمرے کا زینہ چڑھتے ہوئے فریحہ کو پکارا۔

آج بہت جلد آ گئے۔

کھانا تیار ہے ......

جاوید نے پلٹ کر کہا۔

نہیں تو ...... اِس وقت ...... بارہ بجے تو کھانا تیار نہیں

فریحہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

خیر ...... کوئی بات نہیں ...... تم جلدی سے میرے کپڑے
درست کر دو۔ کراچی بہت ضروری میٹنگ پہ جانا ہے۔

اچھا ......

فریحہ نے کسی مشینی آلے کی طرح فوراً جاوید کے کپڑے اور
سامان تیار کر دیا۔

لیجئے جناب ...... ہر چیز تیار ہے۔

V Good ...... بیوی ہو تو ایسی ہو ......

جاوید نے فریحہ کی پیٹھ ٹھونکی اور اپنے ساتھ لگا لیا۔

فریحہ تو پہلے ہی شوہر کی محبت میں اندھی ہو چکی تھی۔ اتنی سی محبّت اُسے
کرنے کے لیے کافی تھی۔

صاحب جی سامان گاڑی میں رکھ دیا۔

ملازم نے آکر کہا

ٹھیک ہے ....

وہ خدا حافظ کہتے ہوئے باہر پورچ میں آ گئے۔

محبوب سے ملنے کی چاہت میں اُس نے رفتار کو بڑھا لیا ......

گاڑی تیز سے تیز تر کر لی۔ وہ اُڑ کر ستارہ کے پاس پہنچ جانا چاہتا

شام سات بجے گاڑی سیدھی ستارہ کے گھر کے قریب کھڑی تھی ......
گنگناتا ہوا جھومتا ہوا مکان کے بیرونی برآمدے کا زینہ چڑھ کر کال
پر انگلی رکھ دی۔

چند لمحے گزرنے کے بعد دروازہ کھلا اور کوثر جہاں باہر نکلیں۔

ارے جاوید میاں ...... آؤ ...... کھڑے کیوں ہو۔

وہ جاوید کو اپنے ساتھ ہی ستارہ کے کمرے میں لے گئیں۔

جاوید کو اندر آتے دیکھ کر وہ لحاف ایک طرف پھینک کر بیٹھ گئی ......

جاوید نے دیکھا اُس کا پژمردہ چہرا کسی عہدِ رفتہ کے کرب ناک لمحوں
کی پناہ گاہ لگ رہا تھا۔ وہ اجڑی اجڑی بادِ خزاں کا ایک حصّہ نظر آ رہی
تھی ...... اُس کا سُرخ سپید چہرہ آج دھلے لٹھے کی طرح سفید تھا۔ تراشے
بال الجھے الجھے جیسے زبردستی پنوں میں جکڑ دیا گیا تھا۔ وہ بڑی رنجیدہ
نظر آ رہی تھی ...... جیسے سفینہ اُجڑ کر ڈوب جائے۔

کوثر جہاں جاوید کو چھوڑ کر خود چلی گئیں۔

اجازت ہے ....

جاوید نے اُس کو خوش کرنے کے لیے اجازت طلب کی۔

کس لیئے جاوید صاحب ...... آپ اپنی دنیا میں لوٹ جائیے ....
میرا وجود تو ویرانے میں اُجڑی ہوئی اُس شاخ کی طرح ہے ..... جیسے
تیز دھوپ نے جلا دیا ہو،

آپ میرے لیے کیوں؟ اپنا سکون تباہ کر رہے ہیں ..... آپ کی بیوی
ہے۔

بچے ہیں ......

ستارہ ہاتھوں پر چہرہ رکھے بُری طرح سسک اُٹھی۔

ستارہ ...... تمہیں پتہ چل ہی گیا ہے تو اس میں ناراضگی کی کون سی
بات ہے۔

جاوید اُس کے قریب کرسی پر بیٹھ گئے۔

تو کیا عورت دوسری عورت کا حق غصب کر سکتی ہے۔ میں فریحہ کا سکون

باہ کر سکتی ہوں۔

ستارہ خونخوار لہجے میں بولی۔

تم نے فریحہ کا کوئی حق نہیں لیا ..... میں اپنی خوشی سے تمہارے ساتھ
ادی کرنا چاہتا ہوں۔

جاوید نے نہایت خودغرضی کا مظاہرہ کیا۔

کیوں؟ .... مجھ میں ایسے کون سے لعل جڑے ہوئے ہیں جبکہ
ریحہ ایک اچھی بھلی قبول صورت لڑکی ہے۔ اور پھر آپکی بیوی بھی ہے ....

ستارہ نے جاوید کو طنز بہ نشتر چبھو دیا۔

ٹھیک ہے ...... میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

جاوید نے ستارہ کے شانے پر لرزتا ہوا ہاتھ رکھا۔

لیکن میں آپ کے بغیر زندہ رہ سکتی ہوں ...... جائیے اپنے
لشن کو سنوار لیجئے۔ لوٹ جائیے اپنے نشیمن کی طرف ...... ہم تو
پہلے ہی خانماں برباد ہیں۔

ستارہ نے بڑی تیز آواز میں کہا، آنسو پلکوں کی دہلیز توڑ کر ملائم رخساروں
پر بہ نکلے۔ جیسے سوتے پھوٹ پڑے ہوں۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے ستارہ ......

جاوید تذبذب کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

کاش یہ سب کچھ پہلے ہوتا .... اب معلوم ہوا جبکہ میں
بہت دُور نکل آئی۔

آپ کو بھلانا دشوار ہو گیا۔

ستارہ نے منہ چھپا لیا ...... پھر ایک بار ساحل سے گرداب میں اُتر گئی تھی۔

اور جاوید حسرتِ نامراد لے کر کمرے سے نکل آئے۔ شاید اُسے علم ہو چکا تھا کہ ستارہ اب اُسے قبول نہیں کرے گی۔

برآمدے کے زینے پر مڈھبیڑ کوثر جہاں سے ہو گئی۔

ارے بیٹھو تو سہی ...... میں چائے لائی ہوں ——

لیکن وہ بڑی تیز رفتاری سے گزر گئے۔

اور وہ پلٹ کر جاوید کے نقشِ پا گھورتی رہیں۔

بیٹی ستارہ جاوید کو کیا ہُوا ——

کوثر جہاں نے ہانپتے ہوئے ٹرے میز پر رکھی۔

پول کھُل گیا تو بھڑک اُٹھے۔

ستارہ نے طنزیہ کہا

پول ..... کیسا پول ..... کیا جاوید نے کوئی بات چھپائی۔

کوثر جہاں حیرانی سے بولیں۔

امّی جان ..... ایسے لوگ مجھے بڑے بُرے لگتے ہیں۔ جو اپنے مفاد کی خاطر دوسروں کی حق تلفی کریں۔ جاوید بھی اُنہیں مردوں میں سے ایک ہے ...... جو شریف بیویوں کو چھوڑ کر راتیں دوسری عورتوں کے ساتھ گزارتے ہیں ... فرق صرف اتنا ہے ...... وہ چوری چوری شادی

اچا بتا ہے۔

ستارہ نے بڑے کرب کے ساتھ اپنا سر پلنگ کی پشت پر رکھ

ا۔ کیا کہہ رہی ہے تو ...... میرے پلے کوئی بات نہیں پڑی۔

جاوید شادی شدہ ہے

اور تین بچوں کا باپ بھی

ستارہ نے کہا

اوئی میں مری ...... اچھا ..... جھوٹا کہیں کا

کوثر جہاں نے یوں خوفزدہ ہو کر کانوں کو ہاتھ لگایا جیسے بچھو نے ٹ لیا ہو۔

ہاں امّی ...... اور بیوی بچوں سے چوری شادی ......

لعنت بھیجو کلموا ...... میری بیٹی تو ہیرا ہے ہیرا ......

کوثر جہاں نے بڑے پیار سے ستارہ کی بلائیں لے لیں۔

ہیرا نہ کہو ماں ...... اب تو خالص لوہا بھی نہیں رہا۔

اُس نے جگر کے ٹکڑے ٹکڑے یوں نگلے جیسے گلے میں لگ گئے ہوں۔

اور کئی آنسو بہ نکلے۔

بیٹی نہ رو رو کر جان کو ہلکان کر ...... ابھی تیری عمر ہی کیا ہے ......

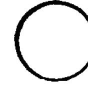
خدا کرے کوئی اچھا رشتہ آئے تو میں تیرے ہاتھ پیلے کر دوں .....

امی ....

بندھن ٹوٹ گیا اور اشکوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔

ماں دلاسے دیتی رہی

اور وہ عہدِ رفتہ کو بھولنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے سسکتی رہی۔





موسم سرما کی ٹھٹھرتی ہوئی شام تھی ..... تیز ہوا سائیں سائیں کرتی
ل کو لرزا کر گزر جاتی .... سیاہ بادل گھرے ہوئے تھے ......
ر کہیں دیکھا تو اُمڈتی ہوئی کالی گھٹا جھومتی چلی آرہی تھی ..... یوں لگتا
یے ابھی برسی ابھی برسی ...... کہ دیکھتے دیکھتے چھم چھم بادل برسنے لگا۔
ر کے گلی کوچے اپنے منہ دھونے لگے۔ دونوں ماں بیٹی لحافوں میں
ی بیٹھی تھیں ...... کوثر جہاں تو بیٹھی تسبیح کر رہی تھیں اور ستارہ لحاف
ڑھے ٹیک لگائے چلغوزوں سے کھیل رہی تھی۔ کبھی کبھار ایک آدھ
ر چھیل کر گری منہ میں بھی ڈال لیتی .... لیکن خیالات کے تانے
انے کسی اصل موضوع کی جانب نہ آرہی تھی ..... وہ کیسی تقدیر لے
ر آئی تھی ...... کیا اُس کے مقدر میں یہی کراہت یہی ذلت
ی تھی .... اُسے اپنی سانس سے بدبو سی آنے لگی ... اپنے وجود

کو اُس نے بڑی نفرت سے دیکھا ...... جیسے صدیوں سے تعفن زدہ کوڑے کے ڈھیر میں رہا ہو ...... اُسے گھن سی آنے لگی۔
ایک سسکی اُبھری جو اُس کے ہونٹوں کا حصار توڑ کر فضا میں بکھر گئی۔

بیٹی ...... کیا سوچ رہی ہو۔
کچھ نہیں امی ...... میں تو یہ ...... یہ دیکھے جا رہی ہوں کتنی اچھی تصاویر ہیں۔
آپ بھی دیکھئے۔
ہڑبڑا کر ستارہ نے ہفتہ رسالہ ماہِ نو ماں کی جانب بڑھا دیا۔
ہوں ...... مجھے سب معلوم ہے ...... ۔
ایک دم دونوں ماں بیٹی چونک گئیں ...... دیوار کے درمیان لگے کلاک نے شام کے چھ بجائے۔
ارے ابھی تو صرف چھ بجے ہیں۔
ستارہ کلاک کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔
ہاں تو اور کیا ...... تم نے کیا سمجھا کہ رات کے دس بج گئے
کوثر جہاں نے تسبیح تکیے کے نیچے رکھ دی۔
یہ اللہ ماری رضیہ کہاں مر گئی ...... وہ لحاف سیدھا کرتے لیٹے لیٹے بولیں۔
امی ...... آج رضیہ کہاں چلی گئی ہے ...... دوپہر سے

بن آ رہی۔
ستارہ نے کہا۔
بارش سے پہلے کی کہیں گئی ہوئی ہے۔
کوثر جہاں نے کروٹ لی۔
آپ کو بتایا نہیں
ستارہ نے چونک کر کھڑکی سے نیچے گیٹ کی جانب جھانکا ......
کون ہے ......
رضیہ ہے شاید ...... بھیگی چلی آ رہی ہے ...... اب یہ بیمار ہو جائے گی۔ ستارہ نے غصے کے ساتھ ترس بھی کھایا۔
سلام بی بی ......
اسی اثنا میں رضیہ ہانپتی کانپتی اندر داخل ہوئی۔
کم بخت کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑی ہے ...... اتنی سردی میں تمہیں باہر جانے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں اپنی صحت کا بھی خیال نہیں۔
کوثر جہاں ایک دم لحاف پرے ہٹا کر اُٹھ بیٹھیں اور رضیہ کو پیار بھری ڈانٹ دے دی۔
اوہو بی بی میں کہاں جاتی ...... وہ اپنی جنت نہیں نا ......
وہ ہی میری بھانجی ......
رضیہ نے بھیگے دوپٹے کو ایک طرف کر کے جھاڑا۔
ہاں ہاں ...... کیا ہوا اُسے ......

کوثر جہاں ایک دم بولیں ۔

کچھ نہیں بی بی ۔۔۔۔۔۔ پھر بتاؤں گی ۔۔۔۔۔۔

رضیہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں ۔۔۔۔۔۔ پھر سہمی بی بی ۔۔۔۔۔۔

وہ ستارہ کو دیکھ کر خاموش ہو گئی

لیجیے امّی میں تو چلی ۔۔۔۔۔۔ اماں رضیہ شاید میرے سامنے بات نہیں کرنا چاہتی ۔

ستارہ بستر سے اُٹھتے ہوئے بولیں ۔

لیکن تم کہاں جاؤ گی ۔۔۔۔۔۔ اس قدر سردی ہے باہر ۔

کوثر جہاں نے حیرانی کا اظہار کیا ۔

ارے امّی میں اماں رضیہ اور آپ کے لیے پشاوری قہوہ بنا کر لاؤں گی ۔

ستارہ خلافِ معمول بڑی مطمئن نظر آ رہی تھی ۔

ہائے ۔۔۔۔۔۔ جگ جگ جیو ۔۔۔۔۔۔ سدا سکھی رہو ۔۔۔۔۔۔

میری بچی

رضیہ نے حسبِ عادت ہائے کا نعرہ مار کر ستارہ کی بلائیں لے لیں

کوثر جہاں خوب ہنسیں

اور وہ ہنستی ہوئی باورچی خانے میں چلی گئی ۔

اے بی بی ۔۔۔۔۔۔ اب تو ستارہ بیٹی کی شادی کر دو ۔۔۔۔۔۔

رضیہ نے سرگوشی کی ۔

کیسے کر دوں ۔۔۔۔۔۔ کوئی معقول رشتہ ملے تو تب نا ۔۔۔۔۔۔ ویسے تم ہر جانتی ہو ۔

کوثر جہاں کا لہجہ تشویشناک تھا ۔

خیر چھوڑو ۔۔۔۔۔۔ اچھے بُرے حالات تو سب کے ساتھ ہیں ۔۔۔۔ اگر ستارہ بیٹی کے ساتھ مقدر نے کوئی کھیل کھیلا ہے ۔۔۔۔۔۔ ں کی سزا ستارہ کو کیوں ؟ ۔۔۔۔۔۔ دشمن کو ملنی چاہیے ۔ اللہ کرے ۔۔۔۔ رضیہ ویسے بھی سب حالات سے واقف تھی ۔۔۔۔۔۔ جھولی پھیلائے لیل کو بد دعا دینے لگی ۔

دفعان کرو رضیہ ۔۔۔۔۔۔ مجھے تو اُس کے نام سے ہی نفرت ہے ۔

کیسا شریف بن کر آیا تھا ۔۔۔۔۔۔ سارا زیور ہتھیا لیا اُس نے ۔

کوثر جہاں آنسو بہانے لگیں ۔

حوصلہ کرو بی بی ۔۔۔۔۔۔ اگر خدا نے اچھے دن نہیں رکھے تو بُرے بھی نہیں رکھے گا ۔

تمہیں کیا معلوم ستارہ کی خاطر کہاں کہاں ماری ماری پھر رہی ہوں ۔

کیا مطلب ؟

کوثر جہاں چونک گئیں ۔ اور منتظر نظریں رضیہ کے چہرے پر ڈال دیں ۔

ہاں بی بی ۔۔۔۔۔۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں بشیراں کے ہاں گئی تھی ۔

معلوم ہے ۔۔۔۔۔۔ کوثر جہاں نے کہا ۔

بشیراں کی ساس رشتے کرواتی ہے .... آج تک اُس نے بڑ
بھی گھر بسائے .... سارے ہی اچھے رہے ...... میاں
جان چھڑکتے ہیں ایک دوسرے پر۔

رضیہ نے آنکھیں پھیلائیں۔

تم اصل بات کرو .... ستارہ آنے والی ہے۔

کوثر جہاں نے کھڑکی میں سے جھانکا۔

ارے بی بی ...... بہت ہی اچھا رشتہ ہے۔ پہلی بیوی مر چ
بے انتہا دولت ہے ..... راج کرے گی ستارہ ...... پوری
کا مالک۔

رضیہ نے ازراہِ ہمدردی کوثر جہاں کو بہت سمجھایا۔

ہاں رضیہ .... تم کسی لحاظ سے درست بھی کہتی ہو ....
ستارہ کی عمر ہی کیا ہے ...... کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ جو مُ
میں زندگی الجھ گئی بیچاری کی۔

کوثر جہاں دلگیر آواز میں بولیں۔

عمر کتنی ہے لڑکے کی۔

کوثر جہاں نے کچھ سوچ کر کہا۔

عُمر ...... یہی کوئی چالیس پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔

رضیہ نے کہتے ہوئے کوثر جہاں کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش
جس پہ گزرے وقت کا پچھتاوہ کرب بن کر عود آیا تھا۔

یہ تو بہت عمر ہے۔

کوثر جہاں نے دروازے کی طرف دیکھا .... ستارہ آ رہی تھی۔

مردوں کی یہ کوئی خاص عمر نہیں ہوتی .... اس عمر میں تو آدمی جوان ہو
ا ہے .... ارے بی بی تم نے وہ کہاوت نہیں سنی۔ ساٹھا پاٹھا

یہ نے نصری محاورے کو خوب چبا کر بیان کیا .... وہ کسی طریقے
ے ستارہ کا گھر آباد کرنا چاہتی تھی۔

یہ دیکھو .... میں تصویر بھی لائی ہوں ....

اس کے ساتھ ہی رضیہ نے جیب سے ایک تصویر نکالی اور کوثر جہاں
کے سامنے کر دی۔

کوثر جہاں نے گہری نظروں سے تصویر کو دیکھا۔

اچھی شکل و صورت سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس سیاہ ہی نکٹائی باندھے
بڑے باوقار انداز میں کرسی پر بیٹھا تھا .... صورت سے اُس کی
عمر تیس پینتیس کے لگ بھگ نظر آ رہی تھی۔

دیکھنے میں تو اچھا نظر آ رہا ہے۔

کوثر جہاں نے کہا۔ اور واقعی وہ دل سے پسند کر بیٹھی تھیں۔

بالکل بی بی بہت اچھا ...... جوان ہے .... دولت ہے
عزت ہے اور صحت ہے۔

یہی چیزیں آدمی کو جوان رکھتی ہیں۔

رضیہ نے ایک ہی سانس میں کہہ ڈالا۔

ہوں .... لیکن ستارہ سے کس طرح بات کروں۔

کوثر جہاں ستارہ کی طبیعت کے ناطے افسردہ ہو گئیں۔

بات تو کسی صورت کرنی ہی ہوگی۔

لو بھئی اماں رضیہ .... قہوہ پیو .... کیا یاد کرو گ

ستارہ اندر آتے ہوئے بولی۔

تیرا بھلا ہو .... سدا خوش رہے ...... لا میری بچی ...

رضیہ ستارہ کے ہاتھ سے قہوے کی پیالی پکڑتے ہوئے بولا

سلسلہ گفتگو ستارہ کے آجانے سے منقطع ہو گیا ...... اور د

قہوہ پینے لگیں۔

چند دنوں بعد کوثر جہاں نے ہمت اور جرأت سے کام لے

سے بات کی۔

بیٹی! تم سے ایک بات کرنا تھی۔

کوثر جہاں نے بات کرتے ہوئے بغور ستارہ کو دیکھا ...... و

کمزور نظر آرہی تھی۔

کونسی بات امی

ستارہ حیران ہو گئی۔

بیٹی تم نے اپنے بارے میں اب کیا سوچا ہے۔

کوثر جہاں آہستہ آہستہ ستارہ کو اصل موضوع کی طرف لے ج

تھیں۔

ں بیٹی ...... یہ پہاڑ جیسی زندگی تنہا تو نہیں گزر سکتی ...... ابھی

ہو۔ خوبصورت ہو ......

پ کیا کہنا چاہتی ہیں ......

ں کا انداز کچھ تلخ ہو گیا۔

یں چاہتی ہوں ...... کہ میری زندگی میں تیرا گھر بس جائے۔

وثر جہاں کا انداز رحم طلب تھا۔

اب میرے اور کتنے گھر بساؤ گی ماں ...... میرا نشیمن کسی

پر نہیں ٹھہرا ...... ہر بار بجلی کو خبر ہو جاتی ہے۔

ستارہ کا لہجہ دکھی ہو گیا۔

ایسا نہ کہو بیٹی ...... اب بجلی تھک جائے گی۔ تیرا گھر ضرور آباد ہو

گا۔ کوثر جہاں نے جیسے ستارہ کا گھر آباد کرنے کی قسم کھالی ہو۔

کون قبول کرے گا مجھے ...... کتنی مرتبہ اجڑی ہوں میں

ستارہ کی پلکیں بھیگ گئیں ...... اس نے ایک کراہت بھری نظر

پنے وجود پر ڈالی۔

خدا نہ کرے ...... لاکھوں میں ایک ہے میری بیٹی ......

م ایسا مت سوچا کرو۔

کوثر جہاں نے ستارہ کو سینے سے لگا لیا۔

ایک ماں ہی آخری پناہ گاہ تھی ...... جس نے سینے سے لگا

لیا ورنہ وہ اس قابل تھی کہ اسے کوئی شریف گھرانہ قبول کرے۔

میری بچی .... سدا دن ایک سے نہیں رہتے ...... جو کچھ ہوتا ہے ..... اُسی مالک کی طرف سے ہوتا ہے .... تم پچھلی باتوں کو بھول جاؤ ۔ کوثر جہاں نے ستارہ کو بڑی محبت و شفقت سے شادی کے لیے رضامند کر ہی لیا ماں کی خوشنودی کے لیے وہ مان توگئی ۔ لیکن دل کو کیا کرے .... جو ہر وقت ہر لمحہ گزرے وقت کی ذلت کو پچھتاوے کا رنگ دے کر اُس کے سکون کو تباہ کر رہا تھا .... اُس کی زندگی کے پرسکون سمندر میں طلاطم انگیز لہریں اُس کے جسم کو جھنجھوڑ رہی تھیں ۔ وہ ایک ناسور تھی .... جس کا زہر کسی اور میں نہیں اُترنا چاہیے تھا ۔

وہ سوچوں کے اتھاہ سمندر میں اترتی چلی گئی .... عہدِ رفتہ کی ہزاروں یادوں نے اُسے ریزہ ریزہ کر دیا تھا ۔

بیٹی ...... میری بچی میری جان ...... خوش خوش رہا کرو ...... کچھ نہ سوچو ....

سب بات مجھ پر چھوڑ دو .... اب خدا بہتر کرے گا ....

لیکن وہ سسکتی رہی .... ماں کا دامن آنسوؤں سے تر ہوتا رہا ...... لیکن وہ کفارہ ادا نہ کر سکی .... ماضی کا کرب اُس کی رگ و پے میں اتر گیا تھا ۔

تو بیٹھ ...... میں تمہارے لیے کھانا لاؤں ..... آج تیرے لیے رضیہ نے کباب بنائے ہیں ۔

جہاں آہستہ آہستہ دروازے سے نکل گئیں ۔

ہ نے دیکھا کمرے میں تاریکی ہو رہی تھی ...... اُٹھ کر کھڑکیوں ے ہٹا دیئے ۔ سردی زوروں پر تھی ۔ کہر میں لپٹی شام دلوں کئے ہوئے تھی ...... خاموشیاں اُداسیوں کے دامن سے سسکیاں لے رہی تھیں ۔ سرد جھونکوں سے سوکھے زرد پتے ھر رہے تھے ۔

دان میں لگے سوکھے پتے کو اُس نے اپنے ہاتھ میں مسل ڈالا ۔ دکھی حالات کے جھونکوں سے اِدھر اُدھر بھٹکتا رہا ہے اُسے وس ہوا ۔ جیسے وہ بے شمار سوکھے پتوں کی لاشوں پر چلتی رہی ...... اِن پتوں کی چرچراہٹ سے اُسے اپنے وجود کا احساس وہ اِس احساس میں ڈوبتی چلی گئی ۔

ھر اُس کے چاروں جانب یادوں کا شور تھا ۔ اُس کے وجود کی توڑ پھوڑ ...... اُس کے احساسات کی کرچیں رنگ پھیل گئیں ۔

نہیں وہ سمٹنا چاہتی تو اُس کے وجود کا ہر حصہ خون سے تر ہو ...... یہی سوچ لیے وہ ساکن بیٹھی .... اور بڑی خاموشی پنے آپ کو پھر زمانے کے حوالے کر دیا ...... کیونکہ ماں کی اُسے مقدم تھی ۔ ماں اُسے اکٹھا سمیٹا ہوا دیکھنا چاہتی تھی ۔ کہ دم وہ لڑکھڑائی ۔

وہ اُچھلی.......

کھڑکی میں سے اخبار والے نے اخبار پھینک دیا۔

پریشان ذہن کو الجھاؤ سے دور رکھنے کے لیے اُس نے اخبار ا
لیا پہلی ہی سُرخی جو جلی حروف میں اخبار پر کندہ تھی ......

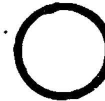
غنڈہ گردی کے سب سے بڑے سرغنہ شکیل کو گرفتار کر لیا گیا
کی عصمت کو پامال کرنے والے سارے گروہ کو اذیت ناک سزا دی جا
گی.........

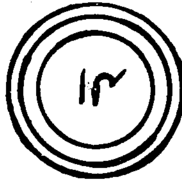
امّی....... امّی........ وہ دیوانوں کی طرح باورچی خانے
طرف بھاگی۔

کیا بات ہے بیٹی

وہ گھبرا کر باہر نکلیں

دیکھو امّی ...... وہ ذلیل النسان شکیل گرفتار ہو گیا...... دیکھو
اللہ تیرا شکر...... کوثر جہاں نے شکیل کی تصویر دیکھ کر خداوند کریم ک
عظمت کی قسم کھائی۔





کاشانہ بیدار بخت ایک محل نما بہت بڑی حویلی تھی..... اس
ا مالک سیٹھ وقار ایک بہت بلند پایہ اور عظیم النسان تھا۔ سیٹھ وقار
ب جاگیر... کا مالک تھا۔ نہایت مخلص دوست پرور اور حلیم طبع
...... اولاد میں صرف دو لڑکے بیدار بخت اور خوش بخت امریکہ
ں تعلیم حاصل کر رہے تھے......... اور ایک لڑکی سندس جو بی اے
ی طالبہ تھی۔ نہایت شوخ اور چنچل........ اکثر اپنی شرارتوں سے
اشانہ بیدار بخت میں اداسیوں کی جگہ خوشیاں بکھیر دیتی .... یہ گھرانہ
نہایت تعلیم یافتہ اور عادات کے لحاظ سے سلجھا ہوا اور ایک دوسرے
کے جذبات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

سیٹھ وقار کی کئی سالوں سے بیوی انتقال کر چکی تھی۔ اُن کے بیٹوں
اور عزیز رشتہ داروں نے بہت اصرار کیا کہ آپ کسی ساتھی کا انتخاب
کر لیں۔ لیکن وہ اکثر پس و پیش سے کام لیتے۔ آج کل بڑا بیٹا آیا ہوا

تھا...... اُس نے حسبِ عادت پھر اُسی بات کو دوہرانا شروع کر دیا۔

ابو......

وہ کاغذوں میں الجھے ہوئے مسکرائے .... شاید اُن کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی

آپ سے کچھ کہنا تھا.....

بیدار بخت نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

مجھے معلوم ہے تم کیا کہنا چاہتے ہو۔

سیٹھ وقار نے فائلوں کو ایک طرف رکھ دیا۔

کیا بھلا .... کیا کہنا چاہتا ہوں میں....

بیدار بخت مسکرائے۔

ارے بھئی یہی کہ شادی کر لو......شادی کر لو....

سیٹھ وقار ہنس دیئے۔

واقعی ابو...... آپکی چھٹی حس بڑی تیز ہے۔

بیدار بخت ہنس دیے ..... ہاں ابو..... آپ شادی کر لیجیے.....

ہم آپ کو یوں تنہا نہیں دیکھ سکتے۔

بیدار بخت پھر گویا ہوئے۔

بیٹا تم لوگ سمجھتے کیوں نہیں ہو...... میں تنہا کب ہوں.... میرے بیٹے میری ننھی سی بیٹی اب شادی کرنا تم لوگوں کی باری ہے.... میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں......

سیٹھ وقار کرسی پر ٹیک لگائے مسکرا دیئے....... اور یوں دونوں ں کو پیچھے کی جانب کرتے اُنہوں نے زوردار جمائی لی۔

میرا خیال ہے آج بہت تھک گئے ہیں آپ

بیدار بخت نے کہا۔

ہاں بیٹے کام تو ہونا ہی نا ...... تھکاوٹ تو ہونا لازمی ہے۔

پھر عمر کا بھی تقاضہ ہے۔

سیٹھ وقار نے کہا۔

ابو جان یقین جانیے آپ بالکل بوڑھے نظر نہیں آ رہے۔ بلکہ کئی جوان آپ کے سامنے ہیچ ہیں۔

سیٹھ وقار بیٹے کی بات سُن کر بہت ہنسے...... اُن کے چمک دار دانت کس قدر دلکش نظر آ رہے تھے۔

چلو بھئی جو تم لوگوں کی مرضی ...... تلاش کر لو کوئی عورت ...... جو بڑھاپے کا سہارا بن سکے۔

وہ اور ہنسنے لگے۔

عین اس وقت سندس کمرے میں داخل ہوئی۔

لو بیٹی بھی آگئی .... کیا خیال ہے سندس بیٹی...... تمہیں ایک عدد تیار شدہ امی کی ضرورت ہے۔

وہ بذلہ سنج بھی ٹھہرے تھے۔

ہاں ابو... کیوں نہیں .... ہم آپ کو خوش دیکھنا چاہتے ہیں۔

سُندس نے پشت کی جانب سے سیٹھ وقار کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے کہا۔

بٹیا! تمہاری ماں میرا بہترین ساتھی تھی .... میں اُسے کسی وقت کسی لمحے فراموش نہیں کرسکا۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

سب کچھ ٹھیک ہے ابّو ...... لیکن دیکھئے نا ...... کل کو بھائی بیدار کی اور خوش بخت کی شادیاں ہو جائیں .... تو آپ کی خبر کون لے گا ...... سندس نے شریر لہجے میں چوٹ کی۔

بالکل بالکل ...... الوجان ...... اور اس چڑیا نے بھی تو اپنے گھر جانا ہے ......

بیدار بخت بھی شریر ہو گئے۔

ہائے اللہ .... بیدار بھائی .... ایسی باتیں نہ کریں .... میں رو دوں گی۔

وہ بڑی معصومیت سے منہ بسور کر بولی۔

بھئی نا .... میری بیٹی کو کچھ نہ کہو ......

سیٹھ وقار نے سندس کو ساتھ لگا لیا۔

کھانا ڈائننگ ہال میں لگا دیا ہے ...... سرکار ....

مُلازم نے مؤدب اطلاع دی۔

ہوں ...... بیدار بخت نے سر کو جنبش دی۔

سب اُٹھ کر کھانے والے کمرے کی جانب چل دیئے۔

ٹرن ... ٹرن ... ٹرن .... فون کی گھنٹی بجی ......

دیکھو کون ہے ....

بیدار بخت نے سندس کو کہا۔

میں کھانا کھا رہی ہوں۔

سندس نے انکار کی صورت واضح کردی۔

تو میں بھی کھا رہا ہوں۔

بیدار بخت بھی چڑ گئے۔

ار ہو .... تم جھگڑتے رہو .... اور وہاں کوئی چاہیے ضروری کاروباری فون ہو ......

سیٹھ وقار جھنجلا گئے۔

لیکن ملازم رمضان نے فون سن لیا تھا۔

چھوٹے سرکار شہر سے فون آیا ہے۔

پھوپھو کا فون ہوگا۔

رابعہ تھی۔

سیٹھ وقار نے کہا۔

جی نہیں ...... بابجے میاں بول رہے تھے ...... کہہ رہے تھے۔ اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں۔

سندس بیٹی کو چند دنوں کے لیے یہاں بھیج دو۔

تو میں ڈاکٹر ہوں کیا ..... پھوپھو جان بھی عجیب عجیب سی باتیں
ہیں۔

سُندس کو غصہ آ گیا۔

کالج تو تم روز جاتی ہو .... چند دن ہو آؤ ...... تم سے
بہت پیار کرتی ہیں۔

سیٹھ وقار بہن کو خفا نہ کرنا چاہتے تھے۔

اچھا ابو .... جیسے آپ کی مرضی ....

وہ باپ کا حکم بھی نہیں ٹال سکتی تھی۔

دُوسرے دن ضروری سامان سمیٹے کتابیں سنبھالے وہ رابعہ پھوپھو
ہاں چل دی، آج وہ ساتھ والی کوٹھی کو مکمل دیکھ کر حیران رہ گئی ....
بنانے والے کے ذوق کی داد دینی چاہیے۔ چند لمحے اُس نے ب
سنگِ مرمر کے چبوترے کو دیکھا پھر وہ داخل ہو گئی۔

رابعہ بیگم کی کوٹھی بھی کوئی معمولی نہ تھی ..... لیکن ساتھ والی خوا
میں اپنی مثال آپ تھی۔

آداب .... بانکے میاں ....

اُس نے ڈرائنگ روم سے گزر کر بانکے میاں کو میز پر ٹانگیں
رکھے اونگھتے دیکھا۔

ارے .... واہ کیا سہانا خواب تھا ...... کیا واقعی تم سند
ہو ....

بانکے میاں نے آنکھیں پھاڑ کر سُندس کو پہچاننے کی کوشش

سندس نے نہایت چستی سے میز پر سے عینک اُٹھا کر بانکے
کی آنکھوں پر لگا دی۔

اب پہچانیئے۔

ارے واہ ...... آج تو بڑا برکتوں والا دن ہے ..... من کی
اد پوری ہو گئی۔

وہ سندس کو دل و جان سے پسند کرتا تھا۔

پھوپھو جان کہاں ہیں۔

اپنے کمرے میں صاحب فراش ہیں .... چلو بیمار پُرسی ہو
جائے۔

بانکے میاں سندس کو رابعہ بیگم کے کمرے میں لے گئے

آداب پھوپھو جان

سندس نے جھک کر مؤدب انداز میں کہا۔

جیتی رہو بیٹی ...... قربان جاؤں .... میں اپنی بچی
کے ....

رابعہ بیگم نے سندس کو سینے سے لگا لیا۔

ارے پھوپھو جان .... آپ کو تو بخار ہے۔

وہ چونک گئی۔

ہاں بیٹی .... کل سے بخار ہے ...... کئی ڈاکٹر آ چکے ہیں

کسی کی دوائی سے افاقہ نہیں ہوا......

آپ کل سے چھ ڈاکٹروں کی دوائی کھا چکی ہیں۔

سندس حیرانی سے بولی۔

ہاں تو اور کیا .... بانکے میاں نے جس طرح کہا میں نے اسی طرح کیا۔ وہ پوری طرح لاڈلے بیٹے کی طرف داری پر اتر آئیں۔

بانکے میاں .... تم پاگل تو نہیں ہو گئے .... وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ اماں کو کچھ ہوا نہیں .... ورنہ تم نے مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

نہ نہ نہ .... سندس جی ایسا نہ کہو........ میری تو زندگی [illegible] ماں ہے۔ بانکے میاں خود افسردہ ہو گئے تھے۔

چل ہٹ .... اتنا بڑا ہو گیا .... عقل نام کی تیرے پاس کوئی چیز نہیں

ہائے اللہ ...... مار دیا ظالم نے۔

بانکے میاں نے ہنس کر والہانہ انداز اختیار کر لیا۔

لیکن وہ فون کی طرف بڑھ چکی تھی .... کسی اچھے ڈاکٹر کو بلانے کے لیے

اماں ....

بانکے میاں نے کہا۔

کیا بات ہے بیٹا ......

رابع بیگم نے تکیے پر ٹیک لگا لی۔

سندس کو کہو نا .... میرے ساتھ باہر چلی جائے۔

بانکے میاں نے جیسے التجا کی

ارے بیٹا اس میں اُداس ہونے کی کونسی بات ہے ...... سُندس ہو تمہارے ساتھ کہیں چلی جائے۔ موسم اچھا ہے...... سیر کو لے جاؤ۔

او جیتی رہو اماں

وہ خوشی سے جھومتا ہوا سُندس کے کمرے میں داخل ہوا۔

سُندس جی.......

سندس اس وقت کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔

جی ...... فرمائیے۔

وہ رسالہ بند کرتے بولی۔

چلو کہیں باہر چلیں۔

بانکے میاں نے عاجزانہ انداز میں سُندس کا ہاتھ کھینچا۔

باہر ...... کہاں ....

وہ حیران کن انداز میں بولی۔

اچھا سنو .... یہ ساتھ والے ہیں نا ......

کون؟

بانکے میاں نے حیرانی سے کہا۔

ارے پاگل یہی ساتھ والے جن کی نئی نئی کوٹھی تیار ہوئی ہے۔

حسبِ عادت سندس کو نئے نئے لوگوں سے ملاقات کا بہت شوق تھا۔

تم اُٹھو تو سہی .... پھر باہر بھی کہیں چلیں گے ...... ہوٹل۔

بانکے میاں نے دل کی مُراد بیان کر ہی دی۔

وہ مُسکرا دی۔

اور دونوں تیار ہوکر باہر چل دیئے۔

اس وقت سندس سفید شلوار قمیض میں ملبوس تھی....... دبلی پتلی تتلی جیسی سُندس بلا کی جاذب نظر تھی۔ اُس کے دراز سیاہ بال کھلے پشت پر جھول رہے تھے۔ سرخ اور سپید رنگت کسی غازے اور میک اپ کی محتاج نہ تھی۔ بادامی بڑی بڑی آنکھیں گھنی سیاہ پلکوں کی جھالروں سے جھکی رہتی....... چہرے پر حد درجہ معصومیت .... بانکے میاں حسبِ عادت سیاہ پینٹ اور سفید قمیض میں ملبوس تھے..... چہرے بشرے سے حماقتیں برس رہی تھیں۔

بیرونی کال بیل پر انگلی رکھتے ہی ایک ملازم باہر آگیا۔

بیگم صاحبہ گھر پر ہیں۔

سندس کو کیا معلوم کہ کوئی بیگم صاحبہ ہے یا کوئی اور.........

اماں جی ہیں....... بی بی بیگم وبیگم کوئی نہیں۔

ملازم نے مُسکرا کر کہا۔

چلو اماں ہی سہی .... ہم نے اُنہیں ملنا ہے۔

سندس نے کہا......

آیئے.......

ملازم اُنہیں اندر لے گیا۔

آداب.........

سندس نے نہایت طویل راہ داری پار کرتے ایک جگہ دیکھا۔ کہ بنی راہ داری میں ایک ضعیف العمر خاتون بیٹھی تھی۔

چہرے سے بلا کی پارسائی اور تقدس جھلک رہا تھا۔

بیٹھو بیٹی......

خاتون نے بڑے پیار سے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شکریہ....... سندس کے ساتھ بانکے میاں بھی بیٹھ گئے۔

غالباً...... تم لوگ یہ ساتھ والی کھوٹھی سے تو نہیں آئے۔

معمر خاتون نے کہا۔

جی ہاں......

اس کے ساتھ ہی سندس نے بانکے میاں کے پاؤں پر پاؤں زور سے مارا...... وہ ندیدوں کی طرح اِدھر اُدھر آنکھیں پھاڑے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

اوئی اللہ....... میرا پاؤں.........

بانکے میاں نے تڑپ کر پاؤں پکڑ لیا۔

کیا ہوا بٹیا۔
معمر خاتون پریشان ہو گئی۔
کچھ نہیں، کچھ نہیں.. دادی اماں.........
ماشاءاللہ ماشاءاللہ بڑی ذہین ہے میری بچی...... کتنی اچھی ہے
جو مجھے دادی کہا۔
میرا بٹیا تو ایسا ہے..... شادی ہی نہیں کرواتا....... کتنی تمنا
تھی میری کہ مجھے بھی کوئی دادی کہے۔
بوڑھی معمر خاتون بڑی حسرت سے بولی۔
کیوں شادی نہیں کرواتا....... ڈرتا ہو گا...... بیوی سے
بانکے میاں نے بھی حصّہ لیا۔
تم چپ رہو جی....... بڑوں کی باتوں میں نہیں بولتے۔
سندس نے ڈانٹ دیا۔
اور بانکے میاں خاموش ہو گئے۔ سندس کی ہر بات اُن کے لیے
معتبر تھی۔
کوئی بات نہیں بیٹی...... کرنے دو بات....... سیدھا سادھا
بھولا بھالا ہے۔
خاتون نے محبت سے کہا
اتنا بھی بھولا نہیں دادی اماں جتنا آپ سمجھ بیٹھی ہیں۔
سندس نے شریر نظروں سے بانکے میاں کو دیکھا۔

اور بانکے میاں نہال ہو گئے...... ایسی خوبصورت نظروں کا مقابلہ
کے بس کی بات نہ تھی۔
چلو بانکے میاں...... پھوپھو انتظار کر رہی ہوں گی۔
سندس نے اُٹھتے ہوئے کہا۔
چلیئے...... بندہ غلام ہے... سلام دادی جان.........
بانکے میاں نے حسبِ عادت شاہی انداز میں فرشی سلام کیا اور کھڑا
ہوا.........
نظر گھما کر سندس نے بانکے میاں کے انداز کو دیکھا اور پھر اجازت
لے کر دونوں طویل راہ داری عبور کر کے گیٹ کی طرف بڑھ رہے تھے.....
کہ ایک دم سندس بُری طرح چونکی۔
دو کالی سیاہ آنکھوں نے اُس کی طرف گھور کر دیکھا تھا...... وہ دہل
سی گئی۔
گھبرا کر اُس نے بانکے میاں کو پکڑ لیا۔ اور سیاہ گاڑی شوں کرتی قریب
سے گزر گئی۔
سندس جی....... کیا ہو گیا۔
بانکے میاں قربان ہو چلے تھے۔
مجھے ڈر لگ رہا ہے بانکے میاں..........
سندس خوفزدہ نظر آ رہی تھی...
تم گاڑی میں بیٹھے آدمی سے ڈر گئیں تھیں۔ یہ تو غالباً اُس خاتون ک

بیٹا ہے۔

بانکے میاں نے سندس کو اپنے قریب کر لیا....

یہی متاع تھی.......اُس کی کائنات .... وہ خاموش پتنگے کی طرح اُس کی محبت میں جل رہا تھا..... آگے خدا جانے سُندس کس کا انتخاب کرے۔

اُس کا کام تو بے لوث محبت تھا سو وہ کر رہا تھا۔

کون لوگ تھے امی........

وہ گاڑی سے اُتر کر سیدھے ماں کے پاس ہی پہنچ گئے۔

ارے بیٹا .... ہمارے ہمسائے ہیں ...... یہ لڑکی تو مجھے بہت ہی پسند آئی ......کہ بس بوڑھی خاتون اپنی پسند کا اظہار بیٹے کی خواہش بھڑکا۔ کے لیے کہ وہ شادی کی حامی بھر لے۔ ارے امی چھوڑ دیئے.......... لڑکیوں کی خوبصورتی پر مت جایا کیجیے .... یہ دیکھا کریں....... ڈھنگ کس روپ میں مارتی ہیں .... اپنے چاہنے والے کی تذلیل کس طرح کرتی ہیں۔

وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے کرسی پر گر گئے ..... جیسے بہت رنجیدہ ہو گئے ہوں۔ ارے بیٹا ...... چھوڑو بھی اب .... بیتی باتوں کو .... اب ماشاءاللہ تمہیں کس چیز کی کمی ہے.......... میرے چاند ....

بوڑھی خاتون بیٹے پر ساری جان سے نثار ہو گئی ......کیوں نہ ہوتی

اس بیٹے کے دم سے ہی اُس کی دنیا آباد تھی۔

بہت دن یوں ہی گزر گئے .... موسم بڑا سرمئی سا ہو رہا تھا...... دور اُفق کے اُس پار کالی گھٹا جھوم کے اُٹھ رہی تھی..... ہوا میں تھوڑی بہت نمی تھی۔ کہ فرحت محسوس ہوتی تھی........ وہ اپنے لان میں پھولوں کے کنج کے پاس آرام کرسی ڈالے کسی کتاب کے مطالعے میں مگن تھے......... آج ویسے بھی جمعہ تھا........ اس وقت شام چار کا عمل ہوگا.... ملازم کو چائے کے لیے کہہ دیا تھا .... وہ اس قدر انہماک سے پڑھ رہے تھے۔ کہ اُنہیں ارد گرد کی مطلق پرواہ نہ تھی....... کہ ٹھک سے سفید رنگ کی شٹل کاک اُن کی کتاب پر گری......... اور بُری طرح چونکے یوں اُن کا انہماک ٹوٹ گیا.... لاحول ولا قوۃ .... حد درجہ سٹ پٹا کر اُنہوں نے چاروں جانب دیکھا.....لیکن سوائے ایک سیاہ سر کو دیوار سے اُٹھتا اور فوراً نیچے دیکھا۔

شریف......شریف .... او شریف.......

وہ زبردست غصے کے عالم میں شریف کو پکارنے لگے۔

جاؤ دیکھو........کون یہ حماقت کر رہا ہے...... وہ بُری طرح چلّائے۔

سندس کی بچی مروا دیا تُو نے

بانکے میاں نیچے ہوتے ہوئے بولے۔

کیا مصیبت آگئی۔

وہ ریکٹ لہراتی بانکے میاں کے قریب آگئی۔

دادی اماں کا بیٹا بیٹھا ہے لان میں......

بانکے میاں لرز رہا تھا۔

تو کیا مصیبت آگئی......میں دیکھتی ہوں نا........بیٹا بیٹھا ہے

یا چنگیز خاں بیٹھا ہے۔

وہ دیوار کی طرف بڑھی۔

نہ نہ......دیوانی ہوئی ہے کیا.....تو سب کو مروائے گی......

بانکے میاں نے سندس کو اپنی طرف کھینچ لیا.....میرا خیال ہے تو فساد نیا کھڑا کروائے گی..........تو نہیں جانتی اس صاحب کو........

بڑا ظالم ہے.........

توبہ ہے توبہ........چڑیا تو پھڑکنے نہیں دیتا۔

بانکے میاں اُلٹے ہاتھ کانوں کو لگاتے ہوئے بولے۔

اتنی دیر میں شریف اندر داخل ہوا۔

بی بی......اس کھیل ویل کو بند کرو..........

شریف نے آڈر جاری کیا۔ مالک جو بڑا سخت تھا۔

ارے واہ.......کیوں بند کریں......ہمارا گھر ہے......

بانکے میاں تو کانپ کر چپ رہے لیکن سندس کو جوش آگیا.....

مالک کا حکم ہے جی.........

شریف گھگھیاتے ہوئے بولا۔

مالک ہوگا تمہارا........ہمارا گھر ہے.........ہم جو مرضی

یل کھیلیں۔ ہمیں کوئی نہیں روک سکتا ہے.....اور نہ یہاں تمہارے

لک کا حکم چل سکتا ہے۔ وہ چلّا کر بولی۔

اور اُدھر ایک عورت کو اتنا تنک کر بولتے وہ سُن کر اُن کے حواس پر

رق سی گری.....اور وہ جل کر راکھ ہوگئے.......عورت کو اتنا منہ زور

یکھنا اُن کی برداشت سے باہر تھا.......غصے سے شٹل کو ہاتھ میں پکڑا

ور بری طرح توڑ مروڑ کر دیوار کے پاس پھینک دیا۔

اچھا......یہ تمہارے مالک کی کرتوت......ہنہ.........

سندس نے نفرت سے منہ دُوسری طرف کر لیا.......

شریف تو چلا گیا.......

لیکن بانکے میاں مسلسل کانپ رہے تھے۔

سندس کی بچّی اب جو قیامت آئے گی نا.........خود سنبھالنا.........

بانکے میاں دانت پیس کر بولے۔

بس تم چپ رہو........میں خود نپٹ لوں گی اس ہلاکو کے بچّے سے۔

وہ بڑے وثوق سے بانکے میاں کو تسلی تشفی دینے لگی۔

یہ تو اتنا ظالم آدمی ہے......چڑیا کو معاف نہیں کرتا.........

تمہیں کیسے کرے گا۔

بانکے میاں وہیں گھاس پر ڈھیر ہو گئے.......

اور سندس بھی اپنی سفید پینٹ کو اونچا کرکے بانکے میاں کے پاس بیٹھ گئی۔

بانکے میاں ذرا دیدار تو کراؤ اُس ظالم آدمی کا ....جس کی دہشت سے تم میرے جا رہے ہو۔

سندس نے پلٹ کر بانکے میاں کے دو ہتھڑ مارا

دیکھ لو جا کر...........اس وقت بیٹھا ہو گا لان میں.......

تمہیں دیکھ کر کپکپی طاری نہ ہوئی تو بانکا نام نہیں......

کیسے...... مجھے یا اُس کو.......

سندس بڑے شریر انداز میں اُٹھی۔

اجی جناب آپ کو........وہ ایسی جنس نہیں جو اس دھان پان لڑکی سے خوفزدہ ہو جائے۔ تم کانپو گی.........تم......

بانکے میاں نے ایک نظر بغور سندس کے سراپا کو دیکھا......وہ کس قدر دلکش حسین تر بن تراشیدہ خدوخال رکھتی تھی۔ سفید پینٹ پر مردانہ کاٹ کی قمیض اُسے کتنی جچ رہی تھی۔ تراشیدہ سیاہ گھنے بال گردن پر الجھے الجھے نہایت خوش نما نظر آ رہے تھے۔ اُس کی بادامی آنکھوں میں چھلکتا ہوا خمار دیکھنے والے کو خوامخواہ ہی مدہوش کر سکتا تھا وہ بلا کی سادہ مزاج اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ خوبصیرت لڑکی تھی.......

میں کہتا ہوں رک جاؤ..........وہ بد اخلاق شخص ہے......

اگر اُس نے تمہاری انسلٹ کی تو........ واللہ قسم مجھ سے برداشت نہیں ہو گا.......

بانکے میاں کو طیش آ گیا۔

تم فکر نہ کرو........اُسے ایک مرتبہ مل تو لوں ...... پھر دیکھنا ....وہ ایک ہی جست میں اپنا لان پار کر گئی۔ ڈیکٹ بھی وہ اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ وہ ذرا ٹھٹھکی ....رُعب و جلال کی زندہ تصویر .... دراز قامت، گورا رنگ، دوہرا بدن، خوش پوشاک اور خوش شکل.......غرض کہ قد و قامت کے اعتبار سے وہ قطب کی لاٹھ اور رنگ و روغن کے لحاظ سے تاج محل نظر آ رہے تھے........ بڑی بڑی سحر انگیز آنکھیں جھکی جھکی بڑے انہماک سے مطالعہ میں مصروف تھیں وہ جاذب شخصیت کے مالک تھے۔

آداب.......

سندس قریب جاتے ہوئے بولی۔

جواب ندارد ....صرف بڑی بڑی آنکھوں نے سندس کو قہر آلود انداز سے گھورا .... ایک لمحے کے لیے تو وہ لرز گئی.... ......لیکن دُوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گئی۔

آپ کسی کے سلام کا جواب نہیں دیتے..........

وہ بڑی ہوشیاری سے قریب چلی گئی... جیسے پرانی واقف ہو۔

....

آداب وسلام کے چکر میں مت ڈالو لڑکی .... تم ہو کون ....

وہ بڑی سختی سے غرائے۔

آپ کے سامنے ہوں .... معلوم ہو جائے گا .... میں کون ہوں ......

وہ دونوں ہاتھ پشت کی جانب باندھے بڑی دلربائی سے گردن ہلاتے بولی۔

یہ تو میں جانتا ہوں کہ تم انتہا ہی چالاک لڑکی ہو .... لیکن میرا مطلب صرف یہ پوچھنا ہے کہ تم آئی کہاں سے ہو ....

اُن کا لہجہ نہایت تلخ تھا ...... بلکہ زہر قاتل ....

پڑوسن ہوں آپ کی .... وہ نہایت شریر انداز میں بولی"

ارے دادی اماں ....

سامنے بوڑھی خاتون کو لاٹھی ٹیکتے آتے دیکھ کر سُندس اُدھر بھاگ گئی

ہنہہ ....

اُنھوں نے نفرت سے منہ دوسری طرف کر لیا۔

دادی اماں .... آداب ...... کیسی ہیں آپ ......

سندس عالم محبت میں بوڑھی خاتون سے لپٹتے ہوئے بولی۔

جیتی رہو میری بچی .... خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے .....

تم سناؤ ......

کیسی ہو .... تمہاری پھوپھو کا کیا حال ہے ....

وہ سندس کے ساتھ ساتھ چلتے باتیں کرتی رہیں۔

بہت ٹھیک ٹھاک ہیں۔

دونوں اب قریب آ چکی تھیں .... کرسیاں بچھی تھیں .....

بیٹھو بیٹی ....

خاتون نے سُندس کو سامنے بچھی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

نہیں دادی اماں .... میرے اِس طرح بے تکلف بیٹھنے سے آپ کے بیٹے کو دُکھ پہنچے گا۔

پگلی .... میرا بیٹا بداخلاق نہیں ہے ......

وہ کھلم کھلا حمایت کرنے لگیں ....

بداخلاق .... اس کے ساتھ ہی وہ بچوں کی طرح آنکھوں ہاتھ رکھے بڑی طرح رونے لگی ....

وہ سامنے غصّے سے پیچ و تاب کھا رہے تھے۔

ارے ارے .... اس کا مطلب کہ اس نے تمہارے ساتھ بداخلاقی کی ....

وہ بیٹے کو گھورنے لگیں ....

امی جان .... سب عورتوں کی ہیرا پھیری ہے۔ میں کچھ

وہ ماں کے سامنے بے گناہ بنتے بولے۔

کیوں نہیں کہا ...... پہلے تو میرے سلام کا جواب ہی نہیں دیا ....

اُس کے بعد اِس بُری طرح ڈانٹنے لگے .... میرا تو دل دہل گیا۔
وہ بوڑھی خاتون کو پوری طرح رام کرنا چاہ رہی تھی .... بلکہ سندس نے
کمال ہوشیاری سے خاتون کے جذبات کو مسخر کر لیا تھا.........
میری بچی ...... رونے کی کوئی ضرورت نہیں .... یہ زخم خوردہ
ہے۔

خاتون کے الفاظ نہایت کرب ناک انداز سے اُس کے ہونٹوں سے
پھسلے۔ لیکن وہ کتاب چھوڑ بڑی برق رفتاری سے اپنے کمرے کی جانب
جا چکے تھے۔ اُنہیں نفرت تھی ایسی روتی ہوئی عورتوں کے مکرو فریب سے

زخم خوردہ ....

وہ آہستہ سے گویا ہوئی

ہاں بیٹی .... کبھی وقت ہوا تو تمہیں داستان سناؤ گی.......

ملازم چائے لے آیا تھا.........

لائیے میں بناؤں.........

سندس نے بڑی اپنائیت سے ٹرالی کا رُخ اپنی طرف کر لیا......

اچانک اُس کے ہاتھ رُک گئے۔

وہ اُٹھی اور بھاگ کر دیوار سے سر اُٹھائے ..... بانکے میاں کو
پکارا جو اُسی جگہ کھڑا تھا.......

آجاؤ .... دادی اماں بُلا رہی ہیں .... اور چائے بھی

اچھا..........

اور بانکے میاں اُسی جگہ سے دیوار پھلانگ گیا۔

بیٹی .... یہیں رہو گی نا ....

بوڑھی خاتون نے کہا

نہیں دادی جان .... میں چلی جاؤں گی .... بس کچھ
اور ——— وہ چائے کی طویل چسکی لے کر بولی۔

نہ جانے کیوں .... سندس اُن کو بہت اچھی لگنے لگی تھی.....
ی عادات .... اُس کا شستہ سا اخلاق .... وہ اُن
دل میں گھر کر چکی تھی۔

وہ کھڑے ماں کا والہانہ پن دیکھ رہے تھے.......

ماں اُسے گیٹ تک چھوڑنے جا رہی تھی......

سٹپٹا کر اُنہوں نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

نہ جانے ماں کو اِس لڑکی میں کیا چیز نظر آ رہی ہے۔

وہ خود سے بولے۔

مجھے نفرت ہے ایسی عورتوں سے .... خود غرض عورتیں
مفاد چاہتی ہیں .... شوہر کو تو صرف شوکیس میں سجانے
لیے رکھے رہنے دیتی ہیں۔ اچانک اُنہوں نے دیکھا وہ پلٹ رہی
یں۔ وہ لڑکی کو الوداع کہہ کر۔

ماں بڑی خوش نظر آ رہی تھی۔

امی یہ لوگ مجھے بالکل پسند نہیں ہیں .... خاص طور سے یہ

نوجوان خود غرض لڑکیاں وہ زبردست اظہار نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر بولے۔

میرے بیٹے .... یہ ساتھ والی کوٹھی ہے .... بہت ہی اچھے لوگ ہیں ...... تم تو اُس لڑکی سے ملے ہی نہیں .... بغیر دیکھے غلط اندازہ نہیں لگاتے۔

ماں نے آہستہ سے ڈانٹ دیا۔

لیکن امّی .... یہ لڑکیاں مجھے زہر لگتی ہیں .... قاتل عورتیں .... دغاباز .... اُن کے الفاظ انگارے برسا رہے تھے ......

یہ میں سب جانتی ہوں بیٹا ...... کہ تمہیں ماضی میں بہت دُکھ انہیں عورتوں کی وجہ سے جھیلنے پڑے ہیں .... لیکن سوچو .... ساری عورتیں ایک جیسی تو نہیں ہوتیں ....

ماں نے نصیحت آمیز انداز میں کہا۔

صاحب کھانا تیار ہے۔

ملازم نے آکر مؤدب کھانے کی اطلاع دی۔

دونوں ماں بیٹا .... ڈرائنگ روم کی جانب چل دیئے

وہ ہاتھ دھوکر نیپکن لیے اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

ماں نے سالن کا ڈونگہ اُن کے سامنے رکھ دیا۔ اور خود بھی قریب

...ھ گئیں۔

بیٹا .... اب تم نے اِس قدر خوبصورت گھر بنا لیا ہے۔ تمہاری اُمیدوں ...مطابق تمہیں کاروبار میں بھی اللہ کے فضل و کرم سے خاصہ فائدہ ہے۔ اور ...ی بوڑھی آنکھیں تمہیں آباد دیکھنا چاہتی ہیں ..... تمہیں شادی کر لینا ...ہیے ....

وہ بیٹے کی درشت طبیعت کے ناطے سنبھل سنبھل کر بول رہی تھیں۔

شادی .... امّی جان .... شادی کا نام نہ لیجیے..... ...یا ملا تھا شادی کر کے ....

ہوئی تھی نا شادی .... آپ کو یاد ہے .... بولیں یاد ...ہے آپ کو ....

وہ زبردست طیش میں آکر کھانے سے ہاتھ روک کر بولے۔

اُنہیں اِس طرح برہم دیکھ ماں نے اپنے لہجے کو اور نرم کر لیا۔

ٹھیک ہے بیٹا .... مجھے سب معلوم ہے۔ لیکن یہ ضروری تو ...ہیں کہ ہر عورت ایک ہی کردار و افعال کی مالک ہو .... تمہیں بہتر ...ے بہتر لڑکی مل سکتی ہے۔ وہ خاموش کھانا کھاتے جا رہے تھے........

ماں کی کسی ناپسند بات پر اُن کی پیشانی پر بل پڑتے اور پھر ٹھیک ہو جاتے۔

لیکن وہ ماں تھی .... اُس کی بات کو جھٹلانا اُن کے بس کا روگ نہ تھا۔ ماں ویسے بھی زندگی کا اتنا طویل سفر طے کر چکی تھی کہ مزید اور انتظار کی اُس میں سکت نہ تھی۔

لیکن وہ ماضی کے گھناؤنے سائے اُن کے جذبات پر اس طرح چھا گئے تھے۔ کہ وہ صاف ستھرے ماحول میں سانس لینا اُنہیں عجیب سا لگتا تھا۔ لیکن ماں چاہتی تھی کہ زمانے کی چیرہ دستیاں اُن کا بیٹا برداشت کر چکا ہے...... لیکن اب تلافی بھی ہو سکے اور وہ عورت کے نام سے بھی خائف تھا۔ نفرت کی دیوار اتنی بلند ہو چکی تھی کہ اُس پر نسوانیت کا سایہ پڑنا محال تھا.......

امی جان.......

ماں کو گہری سوچ میں ڈوبا ہوا دیکھ کر اُنہوں نے پانی کا سارا گلاس اپنے اندر انڈیل لیا اور ماں کی جانب متوجہ ہوئے۔

امی...... کیا ضرورت ہے آپ کو بہو کی.......... نوکر آپ کی خدمت کے لیے کافی نہیں ہیں۔

تم سب ٹھیک کہتے ہو بیٹا....... لیکن مجھے بہو کی ضرورت ہے.... میں تمہارے بچے دیکھنا چاہتی ہوں۔

یہ گھر میری بہو کے حکم سے چلے جو اب نوکروں کے رحم و کرم پر ہے۔

لیکن کوئی عورت میرے اُس زخم کو مندمل تو نہیں کر سکتی...... جو گھاؤ وہ

ارے چھوڑو بھی......... دیوانہ کہیں کا........

ماں نے فوراً بات کاٹ دی.........

آذان کی آواز پر ماں اُٹھی..........

اچھا بیٹا.......... سوچنا......... اب وقت نماز کا

ہو چکا ہے........ وہ کمرے سے نکل گئیں۔ لیکن پھر رُک گئیں۔

اور وہ کرب ناک یادوں میں کھوئے........... پلیٹ میں یوں ہی چمچ ہلاتے رہے۔

دادی اماں.......... دادی جان.......... دادی.........

اُف.......

اُنہوں نے نہایت جھلاہٹ کے ساتھ ماتھے پر ہاتھ مارا..........

کون ہے...........

ماں نے کہا........

وہ ہی.......... آپ کی پوتی........

سندس بیٹی........... اس کے ساتھ ہی وہ اُٹھیں........... اور اِدھر اُدھر ملازم کو دیکھنے لگیں۔

جی بیگم صاحبہ.......

شریف پاس ہی تھا.......

ارے بیٹا......... وہ لان میں مجھے سندس پکار رہی ہے نا......

اُسے.... یہیں لے آؤ۔

وہ سامنے انگلی کرتے ہوئے بولیں۔

جی بہتر.......

شریف بھاگ گیا۔

اور چند لمحوں بعد سندس پلیٹ ڈھانپے کوئی چیز لیے داخل ہوئی پہلے تو

ذرا ٹھٹھکی پھر فوراً حسبِ عادت مسکرائی اور پلیٹ کو ڈائننگ ٹیبل پر رکھتے کُرسی پر بیٹھ گئی۔

لیجیے دادی اماں .... میں آپ کے لیے دلیہ بنا کر لائی ہوں.... دانت جو نہیں ہیں۔

سندس نے پلیٹ خاتون کی جانب بڑھا دی۔

لو بیٹا .... سندس کا بنا ہوا دلیہ تم بھی کھاؤ ....

ماں نے پلیٹ اُن کی طرف بڑھائی۔

آپ کھائیں امی .... مجھے اس کی خواہش نہیں ہے ....

اُنہوں نے پلیٹ کو ہاتھ سے پرے کر دیا۔

دادی اماں اِن کو تو کسی چیز کی بھی خواہش نہیں .... آپ لیں....

اس کے ساتھ ہی سندس نے چمچ بھر کر خاتون کے منہ میں ڈال دیا....

او ہو .... بیٹا میں تو کھا چکی ....

بوڑھی خاتون ٹشو پیپر سے ہونٹ صاف کرتے بولیں۔

اچھا لیجیے .... میں فریج میں رکھ دیتی ہوں .... شام کو کھا لیجیے گا۔ وہ اُٹھ کر پلیٹ کو فریج میں رکھ کر بولی۔

ٹھیک ہے بیٹی ....

سندس بیٹی .... تم بیٹھو .... میں نماز پڑھ آؤں۔

...... جانا نہیں ...... وہ بولیں۔

خود تو نہیں جانی .... اگر دھکے دے کر نہ کسی نے نکال دیا

و .... اللہ نہ کرے .... میری بچی .... یہ گھر تمہارا ہے .... وہ محبت سے سُندس کی پیشانی چومتے ہوئے بولیں۔

اور اُنہوں نے منہ پھیر لیا۔

سندس نے دیکھا .... وہ نظریں نیچی کیے کچھ سوچنے میں مصروف تھے۔ آپ کو انسان اچھے نہیں لگتے۔

سندس نے شریر انداز میں چوٹ کی۔

مجھے انسان اچھے لگتے ہیں .... اگر انسان کے رُوپ میں ہوں .... وہ بھی برجستہ جواب دے کر بولے۔

تو کیا میں انسان نہیں ہوں۔

وہ بھی آج بال کی کھال اُتارنے پر تُلی ہوئی تھی۔

اس کا جواب بہت طویل ہے۔ اور شاید آپ کی طبع نازک پر گراں بھی گزرے ....

مطلب یہی کہ عورت آپ کو اچھی نہیں لگتی ....

سُندس نے کہا۔

یہی سمجھ لیجیے ....

وہ کُرسی گھسیٹ کر اُٹھے اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔

لیکن سندس آج ضد میں آئی ہوئی تھی .... ابھی وہ کمرے میں داخل ہوئے ہی تھے۔ کہ وہ بھی ساتھ داخل ہوئی۔

او مائی گاڈ .... لڑکی تم کس جرم کی نشان دہی کے لیے میرا پیچھ

کر رہی ہو .... دیکھو .... مجھے معاف کر دو .... وہ زبردست جھلاہٹ کے ساتھ سندس کے سامنے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولے۔

ابھی چھوڑیئے .... ان باتوں کو خفا کیوں ہو رہے ہیں وہ بڑی محبت سے اُن کے بندھے ہوئے ہاتھوں کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر ابھی جھکی ہی تھی کہ اُنہوں نے ہاتھ کھینچ لیے۔ تم چاہتی کیا ہو.......

وہ منہ زور گھوڑے کی طرح اپنے بستر پر بیٹھ گئے.........

محبت.........

وہ اُن کے قریب اپنا منہ لے جا کر بولی......... جیسے سرگوشی کر رہی ہو۔

تو اس کے لیے کسی اور کے دروازے پر دستک دو۔ محبت نام کی میرے پاس کوئی چیز نہیں۔ وہ نفرت کا اظہار یوں ہی کرنے لگے۔

میں بھیک مانگ رہی ہوں آپ سے۔

وہ سیدھی اکڑوں بیٹھ کر چلائی .... کچھ کچھ اُسے غصہ بھی آ رہا تھا۔

سنو لڑکی .... میں پرسکون ٹھہرا ہوا انسان ہوں......... میری زندگی کے سمندر میں طلاطم پیدا نہ کرو .... میں اب اور عورت کے ستم سہنے کا متحمل نہیں ہو سکتا .... بہت فریب کھایا ہے میں نے تمہاری قوم سے.........

اُنہوں نے شدید دُکھ کے ساتھ منہ پھیر لیا۔

سندس کا کلیجہ کٹ گیا .... اُسے بہت دُکھ ہوا .... نہ جانے

بس ظالم نے اس قدر نفیس آدمی کے جگر کو اپنی بے وفائی کے تیر سے چھلنی کیا ہے.........

اچھا .... اب اجازت .... میں جا رہی ہوں.........

وہ خاموش باہر چل دی .... زیب محل

گیٹ سے نکلتے اچانک نظر نیم پلیٹ (Name Plate) پر پڑی جو آج ہی لگی تھی۔

اورنگ زیب ایسوسی ایٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

۴ ریونین پلازہ ۲۰، ای بلیو ایریا .... فون ۸۱۰۱۱۴۲

اورنگ زیب لمیٹڈ .... اتنا بڑا آدمی ....

سندس نے اسی سوچ کے ساتھ اپنے کمرے میں قدم رکھا ....

آئیں آپ۔ دیکھا .... اُس بھیڑیئے نے پٹائی کی آپ کی ....

ایک دم بانکے میاں پلنگ کے نیچے سے اچھلے.........

اُف اللہ .... بانکے میاں ڈرا ہی دیا تم نے .... کہاں تھے۔

وہ بُری طرح سہم گئی۔

میں تو کس وقت سے یہاں ہوں .... آپ کو آتے دیکھ کر چھپ گیا۔

لیکن وہ خاموش خوبصورت پرسکون صوفے میں دھنس کر پشت پر سر رکھے آنکھیں بند کیے بیٹھ گئی۔

سندس .... بدتمیزی تو نہیں کی اُس نے.........

بانکے میاں نے اُسے ہلایا۔

ارے نہیں......میرے تو سر میں درد ہے....

وہ بہانہ بنا کر بیٹھ گئی.......

دبا دوں.........

وہ اُس کے سر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

ارے نہیں.......اتنا بھی نہیں..........تم تو خواہ مخواہ پریشان ہوجاتے ہو۔

سندس نے ہنس کر بانکے میاں کا ہاتھ پرے کر دیا۔

سندس بی بی.......سندس بی بی..........

بوڑھی ملازمہ ہانپتی ہوئی اُسے تلاش کر رہی تھی۔

اماں کیا ہوگیا.........سیلاب آ رہا ہے۔

بانکے میاں نے شرارت سے کہا۔

اور سندس کے کان کھڑے ہو گئے۔

نہیں بچہ.......سندس بی بی کا فون آیا ہے.........

میرا.......

سندس ایک دم اُٹھی.........ٹیلی فون کی طرف بھاگ گئی۔

ہیلو.........ابو آپ.......کیسے ہیں.........طبیعت تو ٹھیک ہے۔آپ کی......

وہ بڑی بے تاب نظر آ رہی تھی.........

جلدی آ جاؤں گی ابو........

شاید دوسری طرف سے اُسے آنے کے لیے کہا گیا تھا.........

دوسری طرف سے فوراً رابعہ بیگم نے فون پکڑ لیا۔

کیا بات ہے بھائی.........ابھی میں سندس کو نہیں بھیجوں گی......

ر........

تم اُداس ہو تو کیا ہوا........میں خود اُس کی کمی محسوس کر رہی ہوں......

رانو بیٹیا بھی دلوانہ ہے۔ اُس کے ساتھ ہی رونق ہے۔

رابعہ بیگم کے دوٹوک فیصلے سے وقار احمد خاموش ہو گئے.......

بیٹے بھی باہر جا چکے تھے..........

وہ ٹیلی فون کا ریسیور رکھ کر باہر لان میں نکل آئے۔

ملازم نے کرسیاں بچھا دی تھیں....خانساماں بھی معہ لوازمات کے چائے رکھ گیا تھا۔ کہ بشیراں کی ساس سیٹھ وقار کے پاس مؤدب چلی آئی۔

سلام صاحب جی..........

بشیراں کی ساس زمین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

ارے اے جنت بی بی......کرسی پہ بیٹھو.......کیا کر رہی ہو۔

وہ ایک دم چونکے۔

نہیں جاگیردار صاحب.......ہم چھوٹے لوگ آپ کے برابر نہیں

بیٹھ سکتے

وہ لجاتے ہوئے بولی۔۔۔۔۔۔اُس کے انداز میں عاجزانہ پن بھرا تھا۔

ارے نہیں۔۔۔۔۔۔۔ یہاں کوئی چھوٹا بڑا نہیں۔۔۔۔۔۔سب انسان برابر ہیں۔

تم بیٹھو کرسی پر۔۔۔۔۔۔۔

سیٹھ وقار نے جنت بی بی کو پھر کرسی پر بیٹھنے کو کہا۔

مہربانی۔۔۔۔۔۔۔

وہ مؤدب انداز میں گھاس پر سے اُٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

سیٹھ وقار نے دو کپ چائے بنائی۔۔۔۔۔۔۔ ایک کپ جنت بی بی کو دیا۔

آپ پیئں جی۔۔۔۔۔۔۔

جنت بی بی تکلف سے کام لینے لگی۔

کوئی بات نہیں۔۔۔۔۔۔ یہ لو۔۔۔۔۔۔

اُنھوں نے بسکٹ اُسے پیش کئے۔۔۔۔۔۔ جنت بی بی نے ایک بسکٹ اُٹھایا۔ اور آہستہ آہستہ چائے پینے لگی۔

کیسے آئی تھی۔ سنڈس تو آج کل رابعہ کے ہاں گئی ہے۔

وہ چائے کا گھونٹ حلق سے اتار کر بولے۔

معلوم ہے صاحب جی۔۔۔۔۔۔ مجھے تو آپ سے کام تھا۔

وہ خالی کپ واپس ٹرالی میں رکھ کر بولی۔

کیا کام بولو۔۔۔۔۔۔۔

ارے صاحب جی۔۔۔۔۔۔۔ خدا کا شکر ہے۔۔۔۔۔۔ سب ہے آپ کے پاس۔ عزت ہے دولت ہے شہرت ہے۔۔۔۔۔۔ لیکن ایک چیز کی کمی ہے۔۔۔۔۔۔

جنت کے انداز میں حد درجہ خوشامد جھلک رہی تھی۔

بولو تو سہی۔۔۔۔۔۔۔ تم چاہتی کیا ہو۔

سیٹھ وقار چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولے۔

آپ شادی کر لیجئے۔۔۔۔۔۔۔ بہت اچھا رشتہ ہے میرے پاس

جنت بی بی نے فوراً بات مکمل کی۔

جنت بی بی تم دیوانی ہو گئی ہو۔۔۔۔۔۔۔ بھلا اس عمر میں شادی۔۔۔۔۔ وہ ہنسنے لگے۔۔۔۔۔۔۔ وہ ہنستے ہوئے بھی جاذب نظر دکھائی دے رہے تھے۔

تو بھلا صاحب جی۔۔۔۔۔۔ کیا ہے آپ کی عمر۔۔۔۔۔۔ اس عمر میں تو آدمی جوان ہوجاتا ہے۔

جنت بی بی نے پھر خوشامد سے کام لیا۔

اور سیٹھ وقار جنت کی باتوں سے بڑے محظوظ ہو رہے تھے۔

لڑکی بہت اچھی ہے۔۔۔۔۔ سیٹھ صاحب۔۔۔۔۔۔ خوبصورت اور خوبصیرت۔۔۔۔۔۔

لیکن میں بوڑھا آدمی ہوں ......

وہ پھر خوش مزاجی سے بولے۔

اجی آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں ..... آپ کہاں بوڑھے نظر آ رہے ہیں۔

جنت اُن کی پذیرائی کر رہی تھی۔

عین اِس وقت سفید ٹیوٹا گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔

مہمان ہے شاید کوئی۔

جنت بی بی بولی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے سندس اور بانکے میاں کو دیکھ کر جنت بی بی کے ساتھ سیٹھ وقار بھی خوش ہو گئے۔

چڑیل ..... آ گئی ....

وہ بہت ہی محبّت کے ساتھ بولے

ابو ....

حسب عادت وہ معصوم بچّوں کی طرح بھاگ کر باپ سے لپٹ گئی ...... سیٹھ وقار نے شدید محبّت کے ناطے سندس کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

بیٹی میں تو تمہارے بن بہت اُداس ہو گیا تھا۔ اچھا ہوا تم آ گئیں وہ بہت خوش نظر آ رہے تھے .... اچانک بانکے میاں کو دیکھ کر وہ چونک گئے۔

اور سندس کو ایک طرف کر کے بانکے میاں کو گلے لگا لیا۔

بانکے بیٹا ...... تم کیسے ہو ....

اللہ کا شکر ہے جی ....

بانکے میاں ایک طرف کرسی پر بیٹھ گیا۔

ارے اماں جنت ہمارا کام ہوا کہ نہیں۔

سندس جنت کو دیکھ کر بولی .... جیسے اُسے کوئی پرانی بات آ گئی ہو۔

ہاں بی بی .... کام تو ہو گیا .... اب سیٹھ صاحب ہی ٹال رہے ہیں۔

جنت نے کہا۔

کیا مطلب .... ابو نہیں مان رہے .... یہ کیسے ہو سکتا ہے .... دونوں بھائیوں کی شادی ہو جائے گی تو ابو .... ہار ہیں گے ....

سندس اُداس ہو گئی۔

اور سیٹھ وقار کھل کھلا کر ہنس دیئے۔

اچھا بھئی .... جنت بی بی جیسے بچے کہتے ہیں کر لینا ....

وہ کرسی سے اُٹھتے ہوئے بولے۔

او ویری گڈ .... زندہ باد .... ابو اب آپ نہیں بولیں گے۔

سندس نے سیٹھ وقار کو جاتے جاتے کہا۔

ٹھیک ہے۔

وہ پشت کی طرف ہاتھ ہلا کر بولے۔

اُن کے جانے کے بعد سندس جنت کی طرف متوجہ ہوئی۔

اچھا اماں .... مجھے دیکھا سکتی ہو لڑکی ....

سندس نے کہا۔

ہاں کیوں نہیں۔ ابھی

جنت بی بی نے کہا۔

چلیں گے کسی دن

اور پھر ایک دن سندس جنت بی بی کو لیے ستارہ کے ہاں چل دی۔

گاڑی سے اُتر کر وہ دونوں سیدھی بیرونی برآمدے کا زینہ پار کر کے اندر داخل ہوگئیں۔ کمرے میں ستارہ بستر پر لیٹی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی اور کوثر جہاں اپنے بستر پر بیٹھی تسبیح وحمد میں مشغول تھیں۔ اکثر فارغ اوقات میں خدا کو یاد کرتی رہتیں۔

آداب ....

سندس نے داخل ہو کر دونوں کو آداب کہا۔

ستارہ نے صرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا .... لیکن کوثر جہاں جن بی بی کو دیکھ کر معاملے کی تہہ تک پہنچ گئیں تھیں

جیتی رہو بیٹی .... خدا نصیب اچھا کرے ....

سندس نے سر جھکا کر کوثر جہاں سے پیار لیا .... اور قریب ہی ی۔

جنت بی بی آنکھوں ہی آنکھوں میں کوثر جہاں کو سمجھانے کی کوشش کر تی۔

سندس کو ایک نظر ہی دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ لوگ اچھی حیثیت کے ہیں۔ بن حالات نے اُن کے طرزِ تمدن میں فرق پیدا کر دیا۔

آؤ جنت باورچی خانے میں ...... چائے بنانے کے تھ ساتھ باتیں کریں گے۔

کوثر جہاں موقعہ محل سمجھتے ہوئے جنت کو اپنے ساتھ باورچی نے میں لے گئیں۔ تاکہ سندس اور ستارہ کو کھل کھلا کر بات کرنے کا موقعہ مل سکے۔

یہ لڑکی ہے سیٹھ کی ....

جنت بی بی نے بیٹھتے ہوئے کہا

لیکن کوثر جہاں کچھ نہیں بولیں وہ سوچ میں ڈوبی دل میں تمنا لیے ہوئے تھیں۔ کہ اُن کا داماد بھی خوبصورت نوجوان اور صحت مند ہوگا ...... اگر انہیں ملا تو غربت و افلاس نے اُس کی حیثیت اور احاطہ خوبصورتی کو مسخ کر دیا تھا۔ اُس کی دلکش جوانی کس کام کی۔ اور یہ سیٹھ وقار جس کے نوجوان دو بیٹے بیرونِ ملک گئے ہوئے ہیں۔ جوان بیٹی ہے۔ اور اس وقت خود وہ نوجوان نظر آ رہا ہے ..... یوں

لگتا ہے کہ اس وقت صرف چالیس کے لگ بھگ ہوگا...... وہ نہایت
جاذب نظر اور عمدہ شخصیت کے مالک نظر آرہے تھے۔

بی بی...... کیا سوچ رہی ہو...... رشتہ بُرا نہیں......
جوڑی بہت اچھی ہے...... سدا خوش رہے گی تمہاری بیٹی......

جنت بی بی نے سیٹھ وقار کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے
ملا دیئے۔

تم سب ٹھیک کہتی ہو جنت بی بی...... میرا خیال ہے ستارہ سے
پوچھنا بہتر ہوگا۔

کوثر جہاں نے پلیٹ میں بسکٹ اور چائے کا کپ اُس کے سامنے
تپائی پر رکھا۔ ہاں ہاں..... کیوں نہیں...... گزر بسر تو اُس نے
کرنی ہے..... پوچھو...... جنت بی بی نے گھونٹ حلق سے اُتار
کر کہا۔

تم چند دن کے بعد پھر آنا...... ستارہ سے پوچھ کر تمہیں تمام حالات
سے آگاہ کروں گی...... خدا کرے ستارہ بیٹی مان جائے۔ مستقبل
تو خوشیوں سے بھرپور ہو اُس کا۔

کوثر جہاں بڑی آس لگائے بیٹھی تھی۔ کتنی خواہش تھی اُن کو بیٹی کو
خوش دیکھنے کی۔

اِدھر ستارہ اور سندس کافی گھل مل گئیں تھیں۔ ستارہ کے اخلاق
میں خاطر خواہ تبدیلی آگئی تھی...... ویسے بھی ماضی کی تلخیوں نے تمام

کس بل نکال دیئے تھے۔ وہ سنگین حالات کے جبر و تشدد اور مشکلات
میں گھر کے کسی اچھے انسان کی قدر و قیمت جان چکی تھی...... ویسے بھی
انسانی نفسیات پڑھ کے اچھے بُرے کی خاصی پہچان ہو چکی تھی۔
پھر سُندس جیسی معصوم ہے

اچھا...... آپی

معصوم ہنسی کے ساتھ

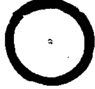
اچھا..... ضرور جانا ہے۔ رُک جاؤ سندس......

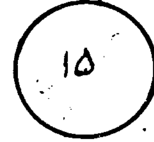
ستارہ نے ازراہِ اخلاق کہا۔

ہاں آپی ضرور جانا ہے...... ابو اکیلے ہوں گے...... انشاءاللہ
پھر ملاقات ہوگی۔

سندس نے مُسکرا کر ہاتھ اُٹھایا اور بائے کہتی ہوئی کمرے سے
نکل گئی۔ اور وہ مسلسل سوچوں میں اُتر گئی۔

اُس کی سوچوں کے دائرے لامحدود تھے۔





صوفے پر بیٹھے ہوئے وہ ایک دم چونک گئے .... نرم ونازک گداز مرمریں ہاتھوں نے اُس کی پشت سے اُن کی دونوں آنکھیں بند دیں.

سندس ..... مت ایسی بچوں والی حرکتیں میرے ساتھ کیا کرو ..... گستاخ لڑکی۔

اورنگ زیب نے سندس کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر کھینچا اور وہ لڑکھڑا کر اُن کی گود میں گری ....

میں کہتا ہوں باز آجاؤ .... ان حرکتوں سے .... میں عورتوں کے تمام فریب جانتا ہوں ...... سمجھی۔

اُنہوں نے بُری طرح سندس کو جھنجھوڑ ڈالا .... اور اُس کی چیخ نکلتے نکلتے بچی .... اُس کی ہڈیاں چٹخ گیئں تھیں۔

میں نہیں ڈرتی آپ سے .... بے شک میری جان نکال دیں

پ .... وہ آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

اورنگ زیب پوری طرح سندس کے حواس پر چھا چکے تھے۔ وہ اُسے ھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن وہ اس قدر سنگ دل کیوں تھا۔ عورت کا رب اُس کے جذبات میں آگ کیوں نہیں لگاتا۔ تمام شب اُس نے کانٹوں ر بسر کی ...... وہ بہت جلد اُس کو راہ راست پر لانا چاہتی تھی زبیدہ یگم اُس کے ماضی کی تمام داستان اُس کے گوش گزار کر چکی تھی۔ کہ کس طرح ایک عورت نے اُن کی زندگی کو جہنم بنا دیا تھا .... بس وہی تلخی اُسے پریشان کئے ہوئے ہے۔ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک کر پیتا ہے۔

بہت دن ہو گئے۔

سندس نے ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے کئی دن زیب محل کا رُخ نہ کیا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ لوہا گرم ہونے کے بعد موم بھی ہوتا ہے کہ نہیں۔

ڈائنگ روم میں کھانے کی میز پر بیٹھے پلیٹ میں سالن ڈالتے اُنہیں جیسے کچھ یاد آگیا۔

کیا بات ہے امی جان .... وہ آپ کی ایک پوتی تھی......

وہ جان بوجھ کے بات کو طویل کرنا چاہتے تھے۔

سندس .... اللہ سلامت رکھے .... لیکن بٹیا کئی دن ہو گئے ہیں .... وہ نہیں آئی ... بیمار نہ ہو گئی ہو۔

زبیدہ بیگم کچھ پریشان سی ہو گئی تھیں۔

وہ خاموش کھانا کھاتے رہے نہ جانے دل میں بھی اُن کے ایک میٹھی چبھن ہوئے محسوس ہوئی...... جس کو انہوں نے دل کی بھول سمجھ کر ٹال دیا۔

یوں کئی روز بیت گئے۔

ایک دن زبیدہ بیگم نے دل سے مجبور ہو کر رابعہ بیگم سے ملنا چاہا۔

اسی بہانے سندس کا بھی پتہ چل جائے گا۔

وہ کال بیل پر انگلی رکھے کھڑی رہیں......

فوراً ملازم حاضر ہوا......

رابعہ بیگم سے ملنا ہے۔

آئیے...... وہ لان میں بیٹھی ہیں۔

ملازم اُن کو لان میں لے گیا۔

ارے...... آپا زبیدہ آپ...... کیسے دل کیا آپ کا......

رابعہ بیگم ایک دم کھڑی ہو گئیں۔ اُن کے لہجے میں خوشی ٹپک رہی تھی۔

میں نے سوچا...... رابعہ کو کبھی ادھر کا خیال نہیں آیا...... میں ہی خیر خیریت معلوم کر لوں۔

زبیدہ بیگم بولیں۔

رابعہ بیگم کے ساتھ زبیدہ بیگم بھی ہنس دیں۔

اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد زبیدہ بیگم کو پھر سندس کا خیال آیا۔

سندس بیٹی کہاں ہے...... نظر نہیں آ رہی۔

زبیدہ بیگم لان سے دور عمارت کو دیکھنے لگیں۔

سندس اور بانکے میاں کا شانہ بیدار بخت گئے ہیں...... کب لوٹیں گے۔

زبیدہ بیگم کے انداز میں مایوسی کا عنصر غالب تھا۔

معلوم نہیں وہ کب لوٹیں...... ویسے بانکے میاں تو جلد آ جائے گا۔

اچھا......

زبیدہ بیگم کچھ چُپ چُپ سی ہو گئیں سندس کی عدم موجودگی انہیں بڑی شاق گزری۔

آپ نے فون نہیں کیا...... آ جائے......

جی ہاں فون تو میں نے اُسے صبح کیا تھا...... وہ تو کالج گئی ہوئی تھی۔

بھائی بھی نہیں تھا...... صرف ملازم بول رہے تھے......

اچھا رابعہ بیگم میں چلتی ہوں...... اگر جلد لوٹ آئے تو سندس کو میرے پاس ضرور بھیجنا۔

جی اچھا...... ارے چائے تو پیتے جائیے آپا......

وہ ایک دم چونک گئیں۔

لیکن زبیدہ بیگم خوبصورت انکار کے بعد لوٹ گئیں۔

سندس بیٹی.......

وہ ڈرائنگ روم کے قالین پہ قدم رکھتے بولے۔

جی ابو.......

وہ کتاب کو میز پر رکھے قریب آئی۔

بیٹیا .... مجھے بزنس کے سلسلے میں بہت ضروری ملک سے باہر جانا پڑ رہا ہے۔

پھر ابو.........

وہ پریشان ہوگئی۔

ہوسکتا ہے کافی دن لگ جائیں .... اگر تم رالعہ کے ہاں جانا چاہو تو جاسکتی ہو .... ویسے بھی کالج میں چھٹیاں ہیں. یہاں اکیلے گھبرا جاؤ گی۔

سیٹھ وقار کو بیٹی جان سے بھی زیادہ پیاری تھی۔

ابو ...... پھوپھو کے سٹڈی (پڑھا) نہیں جانا ...... بانکے میاں بہت تنگ کرتا ہے۔ وہ معصومانہ انداز میں بولی۔

اچھا جیسے تمہاری مرضی ...... اگر جانا چاہو تو چلی جانا...... اسلم کو تمام گھر کی ذمہ داری سونپ جانا .... نہ چاہو تو پھر ٹھیک ہے۔ وہ محبت سے سندس کو ساتھ لگاتے ہوئے بولے۔

ٹھیک ہے ابو......

وہ باپ کے گلے میں باہیں ڈال کر جھول گئی.........

جلدی آنے کی کوشش کیجیئے گا .... آپ کی عدم موجودگی میرے ذہن پر بڑی اثر انداز ہوتی ہے۔

وہ محبت سے سیٹھ وقار کو جلد لوٹنے کی تاکید کرنے لگی۔

انشاء اللہ جلد آنے کی کوشش کروں گا۔

اور وہ خدا حافظ کہتے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ وہ پورچ میں کھڑی ہاتھ ہلا ہلا کر باپ کو الوداع کر رہی تھی۔ اور گاڑی شوفر گیٹ سے نکال لے گیا۔

وہ اُداس اُداس سی واپس ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھ گئی.......

ملازم اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ تنہا صوفے کی پشت پر ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔ اجازت .... اورنگ زیب گرے کلر کے سوٹ میں داخل ہوئے۔

وہ بُری طرح چونک گئی......... مہذب شائستہ انداز باوقار شخصیت

اور وہ سر سے پاؤں تک لرز گئی۔

آپ .... آپ یہاں کیسے آئے۔

وہ کھڑی ہوگئی۔

میں غالباً کسی غلط جگہ پر آگیا ہوں۔ کیا یہ سیٹھ وقار......... یعنی کہ کاشانہ بیدار بخت نہیں ہے۔ اورنگ زیب تذبذب کے عالم میں چاروں جانب دیکھ کر بولے۔

کیونکہ ڈرائنگ روم اُن کا جانا پہچانا تھا۔

بالکل بالکل.......آپ صحیح جگہ پر آئے ہیں.........یہ کا شانۂ بیدار بخت ہے اور میں سیٹھ وقار کی سب سے چھوٹی اور اکلوتی بیٹی ہوں ....نام تو آپ جانتے ہیں۔ وہ ساری بوریت بھول کر ہنس دی

مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ اس قدر شائستہ سلجھے ہوئے اور نفیس آدا کی آپ لختِ جگر ہیں.......

اورنگ زیب بھی اُسے تنگ کرنا چاہتے تھے۔

تو کیا میں آپ کو غیر شائستہ نظر آ رہی ہوں۔

سندس کے انداز میں تلخی سی عود آئی۔

نہیں تو.......یہ میں نے کب کہا۔

اورنگ زیب بات کا رُخ پلٹ گئے۔

ارے.........آپ بیٹھیں تو سہی.........

وہ بے تکلف انداز میں اُن کا ہاتھ تھام کر بولی۔

اور وہ جھنجھا سے گئے

یوں جیسے کوئی بجلی کا تار کرنٹ کی صورت میں اُن کی رگ و پے میں اُتر گیا ہو۔

لیکن پھر بھی اُنہوں نے اپنے حواس کو مجتمع کیا.........اور قریب کے صوفے پر بیٹھ گئے۔

میں سیٹھ صاحب سے بہت ضروری کسی کام کے سلسلے میں ملنے

تھا........اگر ——— معلوم ہوتا کہ میں اُن کی بیٹی ہوں تو ہر نہ آتا ———

سندس نے ہنس کر فوراً بات اچک لی۔

ارے مجھے تو یاد ہی نہیں........

وہ فوراً پردا سرکا کر باہر نکل گئی۔ اور چند ثانیے کے بعد واپس آگئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بمشکل گزرے ہوں گے۔ خانساماں خوبصورت ٹرالی میں چائے لے آیا.......اور اُس ٹرالی میں انواع اقسام کی بے شمار چیزیں تھیں جن کو وہ پسند کرتے تھے۔

سندس بی بی........! اتنے ———

خبردار جو مجھے بی بی کہا.......میں بی اے فائنل کی طالبہ ہوں.....

کوئی ایسی ویسی ان پڑھ اندھے کنوئیں میں گرنے والی لڑکی نہیں ہوں۔

وہ فوراً اُسے گہری نظروں سے دیکھنے لگے.......وہ تو پھٹ ی پڑی ٹھیک ہے.........آئندہ اگر کبھی ملاقات ہوئی تو.......

صرف نام پہ اکتفا کروں گا۔

وہ بغیر تاثرات کے چہرا اُس کی جانب کرتے ہوئے بولے۔

ملاقات.........میں تو ضرور آیا کروں گی.........بلکہ روز ملاقات ہو گی.........

وہ شریر انداز میں اُنہیں دیکھ کر چائے بنانے لگی۔

ایک کپ چائے کا حلق میں انڈیل کر وہ فوراً کھڑے ہو گئے۔

آپ بیٹھئے نا ....

وہ عاجزانہ انداز میں بولی۔

نہیں .... مجھے بہت ضروری سیٹھ صاحب سے ملنا تھا۔

اب فون پہ بات ہو گی۔

وہ باہر نکل آئے۔

وہ کھڑی رہی ......

لیکن دل کو کون سنبھالے .... وہ سارے گھر کی ذمہ دا اسلم کو سونپ کر خود رابعہ بیگم کے ہاں چل دی۔ رابعہ بیگم اُسے دیکھ کر خوش ہوئیں۔ بانکے میاں کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہ ملتا۔ سندس کیا گئی۔ سارے جہان کی رعنائیاں اُسے مل گئیں۔ وہ تو دن گزرا جیسے گزرا .... دوسرے دن بانکے میاں مارکیٹ چلے گئے۔ آج تھا جمعہ .... رابعہ بیگم بھی اپنی بہت ہی عزیز ترین سہیلی کو ملنے چ گئیں۔

اور وہ کہاں تنہا رہنے والی تھی۔

فوراً ملازم کو آواز دی۔

رمضان ....

جی بی بی ....

رمضان مؤدب بولا۔

میں ادھر ساتھ والی کوٹھی میں دادی اماں کے ہاں جا رہی ہوں .... کا خیال رکھنا۔ اُس نے رمضان کو تاکید کی۔

جی بہت بہتر۔

رمضان نے کہا اور بالکونی کا زینہ اتر گیا۔

سندس نے چند لمحے سوچا پھر خود بھی زینہ اُتر کر دیوار پھلانگ گئی۔

آداب ....

وہ دھڑک اورنگ زیب کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

ایک دم چونک کر انہوں نے دیکھا۔ سیاہ زمین پر سرخ پھولوں والی یض اور سیاہ شلوار سُرخ و سپید چہرا گھنے تراشیدہ بالوں چاروں جانب بھا ہوا .... آنکھوں میں بلا کی تڑپ ....

وہ چند لمحے یوں ٹھہرے رہے جیسے پُر طلاطم سمندر میں ٹھہراؤ جائے۔

آپ نے پہچانا نہیں .... میں سُندس ہوں ....

سندس ....

وہ اُن کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی .... اور اپنی کہنی وُان کے گھٹنے پر ٹکا کر مسکرائی۔

سندس .... مجھے پریشان نہ کرو ..... جاؤ اپنی دنیا میں ....

وہ آج نہ جانے اس قدر دکھ سے کیوں بولے۔

میری دنیا آپ ہیں۔

سندس نے اُن کے شانے پر ٹھوڑی رکھی۔

سندس نے محسوس کیا کہ لوہا موم ہو رہا تھا۔۔۔۔۔۔ پھر بھی وہ محبت کی طرف نہیں آ رہے تھے۔

سُندس۔۔۔۔۔۔۔

جی۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ ہمہ تن گوش ہوئی۔

وہ یوں ساکن گویا ہوئے جیسے اُن کی آواز دور کہیں کسی بازگشت کا شائبہ ابھی تمہاری عمر ناپختہ ہے۔۔۔۔۔۔۔۔ یوں لگتا ہے جیسے تم نے دنیا کے نشیب و فراز نہیں دیکھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں زخم خوردہ ہوں میری حیات میں ایک عورت نے اپنے کردار و افعال کا جو زہر گھولا ہے ابھی اُس کی تلخی بڑی باقی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں اور زہر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

پھر وہ جُھکے اور سندس کے معصوم چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھا کر اپنی بھیگی آنکھوں کو سندس کی روشن آنکھوں میں ڈال دیا۔

اورنگ زیب۔۔۔۔۔۔۔۔ آپ میری کائنات ہیں۔

سندس نے اُن کے دونوں ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگایا اور محبت بھری مہر ثبت کر دی۔

اورنگ زیب نے صوفے سے ٹیک لگالی۔۔۔ وہ بہت تھکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

سندس لوٹ جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ابھی ہم نے کسی راستے کا تعین نہیں کیا۔

وہ منت بھری نظروں سے اُسے دیکھنے لگے۔

کیسے لوٹ جاؤں۔۔۔۔۔۔۔ اورنگ زیب میں نے تو آپ کی قیادت بہت فاصلہ طے کرلیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اب تنہا لوٹوں گی تو۔۔۔۔۔۔۔ اُں کے گرد و غبار میں کھو جاؤں گی۔

ہتیں کس نے اجازت دی تھی کہ میری قیادت میں زندگی کا طویل ر شروع کرو۔

وہ ایک دم سیخ پا ہو گئے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اور بپھرے ہوئے شیر کی رح سندس کو دونوں بازوؤں سے پکڑا اور جھنجوڑ ڈالا۔۔۔۔۔۔ بدتمیز۔۔۔۔۔۔۔ گستاخ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لڑکی۔۔۔۔ سندس کی دبی دبی سسکی نکلی اور ہ تڑپ کر ایک طرف گری۔ کئی بار تمہیں کہہ چکا ہوں کہ میں عورت سے یار نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔۔۔ پھر ایسی عورت جو خوبصورتی کے ساتھ ساتھ دولت مند بھی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔ وہ جھک کر سندس کو وضاحت سے سمجھانے لگے۔

وہ ہاتھوں پہ چہرا رکھے رو رہی تھی۔۔۔۔۔۔۔ سسک رہی تھی۔

یہ آنسو۔۔۔۔۔۔۔۔ ہنہ۔۔۔۔۔۔۔۔

اُنہوں نے نفرت سے منہ پھیرا۔۔۔۔۔۔۔۔

یہ آنسو مجھے موم نہیں کر سکتے۔۔۔۔۔۔۔۔ انہی آنسوؤں نے برباد کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔

میں عورت کے آنسو ہی نہیں دیکھ سکتا تھا ......

وہ کھڑے ہو کر کھڑکی کے پردے کو سرکا کر خلا میں گھورنے لگے۔

آپ ایک عورت کے گناہ کی سزا دوسری عورت کو کیوں دے رہے ہیں ......

وہ روتے روتے بولی۔

اس لیے کہ تم سب ایک ہو۔ تمہارا ضمیر ایک ہی مٹی سے اُٹھایا گیا ہے

تم حوّا کی بیٹیاں ہو ...... وہ پلٹے اور

وہ پوری طاقت سے چیخے

کبھی آدم کے بیٹوں پر نظر ڈالی آپ نے ...... بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا ...... اور پھر پندرہ دن اُس کی لاش کاندھے پر اٹھائے پھرا چھپانے کے لیے کوئی جگہ نہ ملی .... تو معمولی سے پرندے نے طریقہ بتایا۔

کوّے نے چونچ سے زمین کھودی ......

کیا سمجھے آپ کہ مرد ظالم نہیں ہے .... یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کیا کیا تھا۔

ہنہ ....

وہ اُس کا چہرہ دیکھتے رہ گئے .... لاجواب ہو چکے تھے

.... تقریر اچھی کر لیتی ہو۔

وہ مسکرائے ......

چلو چہرا صاف کرو .... امّی نے دیکھ لیا تو مجھ پر خفا ہوں گی، وہ اُسے بہلانے لگے۔

آپ کی ماں عورت نہیں

سندس نے کہا۔

وہ تو ماں ہے صرف ماں وہ نہیں بدل سکتی ...... ہر دُکھ میں ماں میرا ساتھ دیا ہے۔

تو میں سندس ہوں .... اورنگ زیب .... آپ کو نہیں چھوڑ سکتی ...

نہیں چھوڑ سکتی ......

وہ اِس کے ساتھ ہی کمرے سے بھاگ گئی ....

وہ مسکرائے اور دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئے۔

اورنگ زیب ......

دوسرے ہی لمحے زبیدہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

تو کیوں اُس معصوم کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے۔

زبیدہ بیگم خفا خفا لگ رہی تھیں۔

آئیے آئیے .... بیٹھیں ...

اُنہوں نے ماں کو اپنے قریب ہی بیٹھا لیا۔

کس کی بات کر رہی تھیں آپ ....

وہ جان بوجھ کے انجان بن گئے۔

سندس نہیں یہاں سے گئی .... بہت اچھی بچی ہے .... آ

اُس کی بے قدری نہ کر بیٹا .... اگر سمندر کی تہہ میں کوئی اچھا موتی

مل جائے ۔ تو اُس کو سمیٹ لینا چاہیئے ۔

میں بے قدری نہیں کر رہا امی جان ....

وہ ماں کے سامنے بڑے نرم ہو گئے ۔

تو پھر کیا کر رہے ہو .... تم نے دھتکار کے اُسے گھر سے

نکال دیا ہے ۔

وہ روتی ہوئی گئی ہے .... میرے پکارنے پر صرف اُس نے

دیکھا ....

زبیدہ بیگم بڑی فکر مند نظر آ رہی تھی ۔

امی جان .... میرا مقصد اُس کی دل شکنی نہیں ہے ......

یہ بھی نہیں کہ میں اُسے پسند نہیں کرتا .... بس عورت ہونے

کے ناطے پھونک کر قدم رکھنا چاہتا ہوں ۔

وہ بڑی صفائی سے کہہ گئے ۔

ماں خاموش رہی .... چند لمحے ماحول پر سکون رہا ۔

کسی نے بھی لب کشائی نہ کی .... زبیدہ بیگم نے پھر سکوت

کو توڑا ....

میرا تو جی چاہتا ہے کہ سیٹھ وقار سے بات کروں ....

امی جان یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں .... بھلا سیٹھ وقار

قدر دولت مند آدمی اور پھر میری اور سندس کی عمروں میں تضاد ......

وہ اب دُوسرا حربہ استعمال کرنے لگے ۔

تضاد ...... کیا تضاد ہے ....

زبیدہ بیگم بولیں ۔

اچھا امی .... میں باہر جا رہا ہوں ...... اس مسئلے پر

پھر بات ہو گی ۔

وہ اُٹھ کھڑے ہوئے ۔

میں سب جانتی ہوں ..... تم اس موضوع سے ہی پیچھا چھڑانا

چاہتے ہو ۔

بیٹا تمہیں میرا بھی خیال نہیں آتا کہ تمہاری خوشیاں دیکھنے کے لیے

شاید میں زندہ ہوں ..... ورنہ عمر تو اب میری بہت زیادہ ہو چکی

ہے ۔ اُن کے انداز میں مایوسی جھلک رہی تھی ۔

خدا کرے آپ ہزاروں برس زندہ رہیں .... شاید یہ سب کچھ آپ

کی بدولت ہے ...... اور آپ کی دعاؤں کا مرہون منت ہے ۔

وہ صرف مسکرا دیں ۔

اور وہ ڈرائنگ روم سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے ۔

تمام راستہ سندس کا حسین پیکر اُن کے حواس پر چھایا رہا ......

وہ خود اُس کی معصومیت سے پیار کرتے تھے ...... اُسے چاہتے تھے ۔

لیکن عورت نام کی چیز سے نفرت تھی .... جو زخم ماضی میں

اُن کو لگ چکے تھے ..... اُن کی ہی ہٹیں اتنی شدید تھی کہ آئندہ اور زخم
کھانے کی ہمت نہ پا رہے تھے۔

لاکھ بار ماں سمجھاتی کہ تمام عورتیں ایک جیسی تو نہیں ہوتیں۔ اور وہ یہ
کہہ کر ٹال دیتے .... امی ہیں تو عورتیں .... وہ جتنا سوچتے
.... سندس اُتنا ہی اُن کے قریب ہو رہی تھی۔ تمام دن آفس میں
بھی اُن کا دل نہ لگا .... بڑی کوشش کی کہ سندس کو نظر انداز کر سکیں
.... لیکن پھر دوسرے ہی لمحے اُس کی معصوم بھولی بھالی صورت فلم
کی سکرین کی طرح اُن کے سامنے آجاتی وہ کئی دن سندس کا سامنا نہ
کر سکے ....

کہ شاید کبھی ملاقات نہ ہونے سے اُس کے احساس کو ختم کیا جا سکے
لیکن ایسا نہ ہو سکا ....

اُدھر سندس کو اورنگ زیب کی بے اعتنائی کا جس قدر افسوس ہوا۔
کوئی کم نہ تھا .... آج ملازم کے بلانے پر وہ رابعہ بیگم کے کہنے
پر آ تو گئی ...... لیکن اب بھی اُس کا دل نہ مان رہا تھا۔ ویسے بھی
کئی دنوں سے طبیعت اُس کی کسل مند تھی .... چند منٹ زبیدہ
بیگم سے باتیں کیں اور واپس لوٹ آئی .... وہ پاس بیٹھے تھے۔ چپ
چپ سے .... لیکن اُس نے آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ میں کوئی
اتنی بے عزت ہوں ....

وہ دل میں سوچ کر پلٹ آئی۔

بیٹی تو آ بھی گئی

رابعہ بیگم حیران رہ گئیں

ہاں پھوپھو ....

وہ خاموش اپنے کمرے میں چل دی۔

رابعہ بیگم حیران تھیں کہ ہر وقت چہکنے والی لڑکی .... آج اتنی
پریشان اور بیمار بیمار سی کیوں ہے۔ اُس سوچ کے ساتھ وہ سندس کے
کمرے میں چلی گئیں۔

سندس ..... سندس بیٹی ....

اُنہوں نے قریب جا کر پکارا۔

ہائے اللہ .... اتنا بخار ......

ایک دم جو سندس کی پیشانی کو ہاتھ لگایا تو وہ تڑپ اُٹھیں ...... جیسے
انگاروں کو چھو لیا ہو۔ یا خدا یا رحم کر ....

بانکے میاں ...... او بانکے میاں ....

وہ بالکونی میں کھڑے ہو کر بانکے میاں کو پکارنے لگیں۔

آیا امی ....

ماں کی پکار جو سندس کے کمرے سے آئی تو بانکے میاں
دو دو سیڑھیاں چڑھتا ہوا ایک ہی جست میں پہنچ گیا۔

جی امی ....

وہ ہانپتا ہوا اندر داخل ہوا۔

تمہیں کیا ہوا...... پگلے،،......

وہ حیرت زدہ سی مسکرا دیں......

سیڑھیاں چڑھ کے آیا ہوں۔ بڑی تیز تیز.......

بانکے میاں نے اپنی خفت مٹاتی اور سیدھے بیسنے کو کرنے ہوئے سانس درست کیا۔

اچھا......... سندس کو بڑا بخار ہے...... میں فون کرتی ہوں

اور تو بیٹھ اس کے پاس.........

بہت بہتر...... بندہ غلام ہے۔

وہ باہر نکل گئیں اور بانکے میاں سندس کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گئے۔

سندس......

وہ محبت سے پکارنے لگا۔ لیکن سندس بخار میں پھنک رہی تھی۔

نصف گھنٹے کے بعد ڈاکٹر فاروقی کمرے میں داخل ہوئے اُن کے ساتھ رالعہ بیگم بھی پریشان حال داخل ہوئیں۔

دیکھیے ڈاکٹر......... کیا ہو گیا میری بچی کو.........

وہ آنکھوں میں آنسو....... گلوگیر آواز کے ساتھ بولیں۔

ڈاکٹر فاروقی نے اچھی طرح سندس کو دیکھا....... اور دوائیاں لکھ کر بانکے میاں کو کاغذ تھما دیا۔

یہ ابھی لے آئیں........ خوراک کی مقدار میں نے لکھ دی ہے۔ انشاءاللہ افاقہ ہو جائے گا۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔

کیا بات ہے میری بچی کو ڈاکٹر......

وہ پریشان بولیں۔

کوئی خاص بات نہیں...... معمولی نمونیے کا اثر ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا.........

ڈاکٹر چلا گیا.......

رالعہ بیگم افسردہ پریشان سی سندس کے پاس ہی بیٹھ گئیں آدھے گھنٹے کی تاخیر کے بعد بانکے میاں دوائیاں لے آئے تھے۔

اور

پھر کئی دن اُس کی بیماری میں گزر گئے۔ جب بہت دن گزر گئے۔ تو رالعہ بیگم کو حیرت ہوئی۔ وقار نے سندس کی خبر کیوں نہیں لی۔ فون کر کے معلوم ہوا کہ وہ تو ابھی لندن سے واپس نہیں لوٹے۔ طویل بیماری سے سندس بہت کمزور ہو چکی تھی۔ زبیدہ بیگم اکثر عیادت کے لیے آتیں۔ سندس بہت کمزور ہو چکی تھی...... اُس کا سرخ وسپید چہرا زرد ہو چکا تھا۔

اچانک ایک دن بیٹھے بٹھائے اورنگ زیب کو کیا یاد آیا۔

امی جان.........

جی بیٹے..............

سندس کی طبیعت اب کیسی ہے۔ ٹھیک تو ہے........

اللہ کا شکر ہے تمہیں فرصت تو ملی........

زبیدہ بیگم نے بیٹے کو چوٹ کی۔

ارے امی ایسی بھی کوئی بات نہیں...... میں ذرا کام میں الجھا ہوا تھا۔ اس لیے اُس کی بیمار پُرسی کے لیے نہ جا سکا۔

اورنگ زیب سادگی سے مسکرائے۔

ٹھیک ہے بیٹے...... اچھی بات ہے......

زبیدہ بیگم ہنس دیں.........

میرا تو خیال ہے چلو...... آج سندس کو دیکھ آئیں...... کئی روز سے میں بھی نہیں گئی۔

وہ بیٹے کا عندیہ لینے کے لیے اُن کے چہرے کی جانب دیکھنے لگیں۔

ٹھیک ہے چلیے۔

اورنگ زیب ماں کی بات کے ساتھ ہی کھڑے ہو گئے...... اس وقت سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس خاصے سمارٹ نظر آ رہے تھے۔

دونوں ماں بیٹا گیٹ سے نکل ساتھ ہی گیٹ تھا...... بیل دینے پر ملازم حاضر ہو گیا:

فرمائیے جناب.....

رابعہ بیٹی گھر پر ہے۔

زبیدہ بیگم نے کہا

جی ہاں آئیے......... ملازم مؤدب اُن کو اپنے ساتھ لے گیا۔ لان بن بیٹھی ہوئی رابعہ بیگم نے زبردست خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

بسم اللہ......... آئیے.....

وہ دونوں کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

آداب

اورنگ زیب نے مؤدب کہا۔

جیتے رہو....... بیٹا........ خدا عمر دراز کرے۔

وہ بڑی محبت سے بولیں۔

لان میں سبز سبز مخملی گھاس پر کرسیاں بچھی تھیں........ درمیانی میز پر چائے معہ لوازمات پڑی تھی۔ ابھی ادھر اُدھر کی بات چل رہی تھی۔

اے رابعہ بیگم سندس بیٹی اب کیسی ہے؟

زبیدہ بیگم سے نہ رہا گیا۔

خدا کا شکر ہے۔ بخار تو ٹوٹ گیا۔ نقاہت بہت تھی۔

اورنگ زیب منتظر تھے۔ کہ ابھی اُنہیں کوئی کہے اور وہ سندس کے پاس چل دیں۔ صبح ہی وقار بھائی آئے اور اُسے لے گئے۔

رابعہ بیگم نے کہا۔

سندس چلی گئی۔

زبیدہ بیگم بُری طرح چونک گئیں۔ لیکن اورنگ زیب ساکن بیٹھے رہے۔
اُنہوں نے اپنے تاثرات سے بالکل کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔
جی ہاں سندس چلی گئی ...... مجھے تو اُس کی یاد بہت آتی ہے.....
ویسے رابعہ بیگم کو زبیدہ بیگم کا چونکنا کھٹکا بہت ...... خرانٹ عورت تھیں سمجھ گئیں کہ کہیں بیٹے کے ساتھ رشتے کا چکر نہ چلالے۔

اچھا..... اب اجازت دو۔
زبیدہ بیگم نے کہا۔
اجازت.......
وہ ہنس کر بولیں ... اور ہنس کر اُنہوں نے اورنگ زیب کی طرف دیکھا۔
شام ہوئی....
دونوں ماں بیٹا لوٹ آئے۔
سندس کی یاد اُنہیں ستانے لگی۔
دُکھ دینے لگی۔
لندن سے واپسی پر سیٹھ وقار بیمار سندس کو رابعہ بیگم کے ہاں سے لے آئے تھے ..... وہ چند دنوں کی بیماری سے بہت کمزور ہو چکی تھی۔ آتے ہی چند ڈاکٹروں سے مشورے کے ساتھ گھر میں ہی نرس کا بندوبست کر دیا تھا .... وہ بہت جلد روبصحت ہو رہی تھی۔
وہ تو صرف اسلم کے فون کرنے پر آئے تھے کہ سندس بی بی بہت

رہیں ورنہ ہرگز اتنی جلدی نہ آتے۔
چند دن گزر جانے کے بعد اُنہوں نے رابعہ بیگم کو فون کیا۔ رابعہ بیگم سیٹھ کے بلانے پر فوراً چلی آئیں۔
کیسی ہے میری بچی
رابعہ بیگم نے آتے ہی کہا۔
خدا کا شکر ہے آپا .... خدا نے اُسے دوبارہ زندگی دی ہے۔
سیٹھ وقار بڑے پریشان نظر آرہے تھے۔
اسی اثنا میں اسلم کو قریب سے گزرتے ہوئے دیکھ کر وہ بولیں
اسلم.......
جی بیگم صاحبہ
اسلم اندر داخل ہُوا۔
تمہیں کس نے اجازت دی تھی کہ بھائی کو پریشان کرو .... کس کی اجازت سے تم نے فون کیا۔
رابعہ بیگم کا انداز کرخت سا تھا۔
چونک کر اسلم نے سیٹھ وقار کو دیکھا۔
بیگم صاحبہ یہ میرا فرض بنتا تھا کہ سیٹھ صاحب کو سندس بی بی کی اچانک بیماری کی اطلاع دیتا.....
اسلم صاف گوئی سے بولا۔
نہ تو کیا ہم نہیں تھے ......

رالعہ بیگم نے کہا۔

یہ بات نہیں آپا......... میری تاکید ہے اسلم کو کہ ایسی وجوہات میں مجھے مطلع کریں......... اس نے اچھا کیا کہ سندس کے بارے میں اطلاع دے دی۔ ورنہ مجھے واپسی پر کتنی پریشانی کا سامنا کرنا.........

سیٹھ صاحب کی بات پر رالعہ خاموش ہو گئیں۔

چند دن اور سندس کی وجہ سے سیٹھ وقار کے گزر گئے۔ اُدھر اُن کا کام لندن میں ادھورا پڑا تھا۔ فون پہ فون آ رہا تھا۔ آخر ایک دن وہ سندس کو چھوڑ کر لندن روانہ ہو گئے۔

اچھا آپا......... اب سندس کی طبیعت قدرے بہتر ہے۔

اچھا ہونے پر اگر سندس آپ کے ہاں جانا چاہے تو لے جایئے گا۔

ٹھیک ہے......... بھلا اس حالت میں اسے تنہا چھوڑ سکتی ہو

چنانچہ دوسرے دن رالعہ بیگم سندس کو لے کر روانہ ہو گئیں۔

سندس کے آنے کی خبر سن کر فوراً زبیدہ بیگم عیادت کے لیے آئیں۔ آج اورنگ زیب بھی ہمراہ تھے۔

بھیگا بھیگا موسم تھا......... پُرنم ہوائیں چل رہی تھیں۔

خوبصورت لان میں آرام کرسی پر سیاہ چادر اُوڑھے سندس بیٹھی تھی۔

زبیدہ بیگم اور اورنگ زیب کو دیکھ کر وہ آہستہ سے ہنس دی۔

اورنگ زیب نے چاروں جانب سے نظر بچا کر

آداب......

پیشانی پر ہاتھ لے کر بڑے شریر انداز میں کہا۔

وہ صرف مسکرا دی۔

ملازم رالعہ بیگم کو بلا لایا۔

ارے آپا......... آیئے آیئے......... کیسے آنا ہوا۔

رالعہ بیگم نے کہا۔

سندس بیٹی کا سنا تھا......... خدا کا لاکھ شکر ہے۔

طبیعت درست ہوئی۔

جی ہاں............

رالعہ بیگم کو اورنگ زیب کا وجود کھٹکنے لگا تھا۔

عین اسی وقت اورنگ زیب کا ملازم زاہد بہت بڑا ٹوکرا پھل کا لے کر آ گیا۔

ارے اس کی کیا ضرورت تھی۔

رالعہ بیگم تکلفاً بولیں۔

سندس بیٹی کے لیے ہے......

زبیدہ بیگم بڑی محبت و چاہت سے سندس کی جانب دیکھ کر بولیں۔ چند لمحے ماحول پر سکوت رہا۔

پھر اورنگ زیب اور زبیدہ بیگم چل دیئے۔

اُن کے جاتے ہی رالعہ بیگم سیدھی اپنے شوہر سے ہمکلام ہوئیں۔

اس عورت کے ارادے خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔

کس عورت کے۔

وہ حسبِ عادت کسی ضخیم سی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔

آپ سمجھتے کیوں نہیں میری بات .... زبیدہ بیگم یوں لگتا ہے۔ جیسے اپنے بیٹے کے لیے سندس کا رشتہ لینا چاہتی ہے۔

رابعہ بیگم نے ایک ہی سانس میں جھلا کر کہا۔

ہاں .... بھئی بیگم .... ٹھیک ہے .... یہ تو وقار بھائی کا مسئلہ ہے .... ویسے لڑکا اچھا ہے ....

افتخار احمد بولے۔

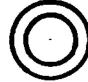
لو ...... اور سنو .... میرا بانکے میاں ......

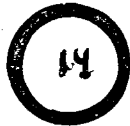
رابعہ بیگم کرسی سے اچھلیں

بانکے میاں کسی طور بھی سندس کے قابل نہیں۔

افتخار احمد حقیقت شناس تھے۔

رابعہ بیگم اور بات کو طویل کرنا نہ چاہتی تھیں ..... کیونکہ ملازم نے رات کے کھانے کی اطلاع دے دی تھی۔





جی پھوپھو ....

سندس تھکی تھکی سی صوفے پر پشت کی جانب سر گرا کر لیٹ گئی۔

طبیعت زیادہ خراب ہے کیا ....

نہیں پھوپھو .... ٹھیک ہوں ....

وہ زبردستی ہونٹوں پر تبسم پھیلاتے بولی۔

تو پھر ہنستی کھیلتی کیوں نہیں۔

رابعہ بیگم کا لہجہ خاصا تشویشناک تھا۔

ذرا سر بوجھل ہے .... اور تو کوئی بات نہیں۔

سندس نے رابعہ بیگم کی مشکل آسان کر دی۔

دونوں کافی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہیں۔

کہ اچانک فون کی گھنٹی نے دونوں کو چونکا دیا۔

بیگم صاحبہ فون ہے۔

اچھا .... رابعہ بیگم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

ٹھہریئے پھوپھو.......... شاید ابو کا نہ ہو.........

رابعہ بیگم وہیں بیٹھ گئیں۔

اور سندس نے ریسیور کان کو لگا لیا۔

ارے ابو .... آپ آ گئے ....

وہ خوشی کے مارے اُچھلی....... اور ریسیور فوراً رکھ دیا۔

میں ابھی آ رہا ہوں ....

پھوپھو جان .... ابو آ گئے ہیں .... اور ساتھ بھائی بیدار بخت بھی ہیں۔ وہ خوشی کے مارے سرخ ہو رہی تھی .... باپ سے بچھڑے بہت دن تو ہو گئے تھے۔ پھوپھو جان چلیے سب چلتے ہیں .... بڑا مزہ آئے گا.........

بیٹی تمہارے انکل آ جائیں تو پھر چلتے ہیں......... اور پھر بانکے میاں بھی تو گھر پر نہیں۔

رابعہ بیگم نے کہا۔

وہ بانکے میاں آ گئے۔

سندس نے کہا۔

واقعی بانکے میاں گاڑی سے نکل ہانپتے کانپتے چلے آ رہے تھے۔

چلو بانکے میاں تیاری کرو ..... کاشانہ بیدار چلنا ہے۔

سندس نے کہا۔

خیریت تو ہے........ ابھی کل تو آپ آئیں ہیں۔

بانکے میاں کو اتنی جلدی چلے جانا اُس کا اچھا نہ لگا۔

ابو آ گئے ہیں لندن سے .... ساتھ بھائی بیدار بھی آئے ہیں۔

ٹھیک ہے...........

چنانچہ شام ڈھلنے سے پہلے رابعہ بیگم بانکے میاں سندس تینوں کاشانہ بیدار پہنچ گئے۔

ابھی پورچ میں گاڑی کھڑی ہی ہوئی تھی کہ سندس بھاگ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہو۔

ابو جانی ....

ارے

سیٹھ وقار نے سندس کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔

میری بیٹی .... میری جان .... بہت کمزور ہو رہی ہو.........

محبت سے اُنہوں نے سندس کے بالوں کو چوم لیا۔

جایئے میں آپ سے نہیں بولتی۔

دیکھو اورنگ زیب یہ میری بیٹی ہے۔ بہت شریر ہے.......

وہ سندس کو سامنے بیٹھے اورنگ زیب سے متعارف کروا تے

ہوئے بولے۔

سندس ایک دم چونکی۔ خفا تو وہ تھی ہی .... لیکن باپ کے سامنے کیا کرتی۔

آداب .... آہستہ سے ایک ہاتھ اُٹھا کر آداب کیا۔

اُورنگ زیب نے بڑے مہذب انداز میں سر کو جنبش دی اور کھُل کے مسکرائے۔

میں سندس سے بہت پہلے مل چکا ہوں سیٹھ وقار

اورنگ زیب صاف صاف کہہ گئے۔

ارے .... اچھا ....

اس کے ساتھ ہی سیٹھ وقار کا فلک شگاف قہقہہ بلند ہُوا۔ اور سندس باپ کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

ہاں تو .... تم دونوں کیسے واقف ہو .... بتاؤ تو بھلا .....

سیٹھ وقار سندس کی نازک لپشت پر تھپکی دے کر بولے۔

دراصل ابو جان .... رابعہ پھوپھو کے ساتھ والی نئی محل نما جو عمارت ہے نا ....

زیب لاج .... تو پھر ظاہر ہے۔ پڑوسی ایک دُوسرے کے ہاں آتے جاتے تو ہیں۔ لیکن ان کی والدہ بہت ہی اچھی خاتون ہیں .... میری دادی اماں ہیں۔ وہ بچوں کی طرح معصوم بڑی

دلربائی سے بہت کچھ کہہ گئی۔

اورنگ زیب محظوظ ہو رہے تھے۔ ہونٹوں میں دبنے والی ہنسی اُنہیں اور پُرکشش بنا رہی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں ..... بے شک تصادم جان لیوا تھا۔ لیکن سندس کے انداز میں گزشتہ ایام کی تلخی خفگی چھپی ہوئی تھی ...... اور یوں لگتا تھا جیسے اورنگ زیب خود شرمندہ شرمندہ سے ہوں ....

سندس کی خفگی اُنہیں تکلیف دے رہی تھی۔ اُنہوں نے کسی عورت کو کسی مرد کو اس قدر ٹوٹ کے چاہنا کبھی نہ دیکھا تھا .... وہ تو آج تک خود اِس صنف نازک کے ناز اُٹھاتے چلے آ رہے تھے۔

سُندس بیٹی ...... میرا اور اورنگ زیب کا ساتھ خاصہ پُرانا ہے ...... بلکہ سیٹھ وقار میرے محسن ہیں .... میں نے بزنس کی ابتدا ہی اِن کے ساتھ کی تھی۔

سیٹھ وقار کی بات کاٹ کر اورنگ زیب بولے۔

اور سیٹھ وقار ہنس دیئے۔

اورنگ زیب یہ تمہاری کاوشوں اور محنتِ شاقہ کا نتیجہ ہے جو تم آج اِس مقام پر ہو۔

سُندس نے بغور اورنگ زیب کو دیکھا .... وہ نہایت خوش اخلاق اور خوش گفتار اور باسلیقہ نوجوان نظر آ رہے تھے .....

اور گھر میں اِس شخص کے موڈ کو کیا ہونا ہے .... کھانے

کو دوڑتا ہے۔

بڑے اصرار کے بعد اورنگ زیب کو بھی رات کے کھانے کے لیے روک لیا گیا۔ سیٹھ وقار بال بچوں میں بیٹھے بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔

اس کے بعد کئی دنوں تک اورنگ زیب کی ملاقات نہ ہو سکی...... کیونکہ کاشانہ بیدار بخت میں بیدار بخت کی شادی کی بات چل نکلی۔ سیٹھ وقار بات کو التوا میں ڈالنے کے حق میں نہیں تھے۔ اور نہ ہی وہ جہیز کے خواہش مند تھے۔

بیدار بخت بہت جلد شادی کے بعد لندن لوٹنا چاہتے تھے...... مختصر جدوجہد کے بعد سیٹھ متین سے معاہدہ ہو ہی گیا۔ عذرا اچھی پڑھی لکھی لڑکی تھی........ اور بیدار بخت اُسے پسند بھی کرتے تھے۔ چند دنوں میں سادہ رسومات کے بعد بیدار بخت بیوی کو لے کر لندن روانہ ہو گئے۔

ہنگامہ کم ہُوا تو سُندس کو کچھ سُکھ کا سانس آیا۔ دوران شادی اورنگ زیب ہر کام میں پیش پیش رہے..... لیکن سندس ہر بار نظر بچا کر گزر جاتی ...... وہ جان چکی تھی کہ طور چلنے لگا‘‘...... جو آگ اُس کے من کو سلگا رہی ہے..... بالکل وہی آگ اورنگ زیب کو بھی جلا رہی ہے۔

اپنی اپنی آگ میں سلگتے .... بجھتے جلتے بہت دن گزر

گئے.. اور محبت روز افزوں ترقی پذیر رہی۔

بلکہ ایک دُوسرے کی چاہت میں دونوں سرگرداں رہے۔ ایک دُوسرے کے سامنے........ لیکن تلاش تھی۔





رابعہ بیگم بھی اپنے گھر لوٹ گئیں تھیں۔

وہ یکسانیت سے اکتا سی گئی تھی .... ویسے بھی گھر سے نکلے بہت دن ہو چکے تھے........ فوراً اجازت لینے کے لیے آفس فون کیا۔

سندس بیٹی ....

سیٹھ وقار نے ریسیور کو پکڑ نے ہی کہا۔

ابو جانی میں پھوپھو کے چلی جاؤں ۔

ضرور جاؤ.......... بلکہ شام تک میں بھی پہنچوں گا۔

سیٹھ وقار نے کہا۔

ٹھیک ہے ابو..........

فوراً اُس نے ریسیور چھوڑا اور معمولی تیاری کے بعد ملازمین کو مختصر

ہدایات دینے کے بعد اپنی گاڑی نکالے باہر آگئی۔

ایک گھنٹے کا سفر اُس نے نصف گھنٹے میں طے کیا۔

لیکن وہاں جاکر معلوم ہُوا کہ رابعہ بیگم بانکے میاں کو لے کر اپنی کسی ملنے والی کے ہاں صدر گئی ہوئی تھیں۔

گاڑی سے اُترتے ہی اُس کے قدم زیب لاج کی طرف بڑھ گئے .... نہ چاہتے ہوئے بھی۔ وہ شخص کیوں اُسے ستانے پر تُلا ہُوا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ لان کا زینہ ازکر راہ داری سے ہوتی ہوئی زبیدہ بیگم کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ لیکن آج کوٹھی میں سوائے ملازمین کے شور کی آواز ہی نہیں تھی۔ وسیع غلام گردش عبور کرتے اُس کے کان مانوس سی آواز سے ہمکنار ہوئے۔

سندس .... بلاشبہ یہ اورنگ زیب کی آواز تھی۔

وہ رُک سی گئی سینے میں سانس روکے .... کہ دُوسرے ہی لمحے وہ دروازہ کھول کر باہر نکلے۔

سوئی سوئی آنکھیں سفید شلوار قمیض بے ترتیب الجھے ہوئے گھنے بال........ وہ بلا کے جاذب نظر لگ رہے تھے۔

آپ۔ آپ نے پکارا .... وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔ لیکن انداز حد درجہ اکھڑا ہوا......

ہاں میں ...... لیکن میں تمہیں کیوں نہیں پکار سکتا........

اُن کی آنکھوں میں محبت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

اپنے دل سے پوچھیے .... کہیں آپ کے وقار کو ٹھیس نہ پہنچے ۔ وہ طنز کا تیر چلا کر جانے کو بڑھی ۔

لیکن اورنگ زیب نے جھک کر سندس کو بازو سے تھام لیا ۔

اورنگ زیب صاحب ...... چھوڑ دیجیے ...... ایک عورت سے ہم کلام ہوتے ہوئے اگر اس گھر کے کسی فرد کو دیکھ لیا تو آپ کے بارے میں کیا رائے قائم ہو گی ...... آپ اپنی نفرتوں کو برقرار رکھیے ۔

وہ بے معنی سا بازو چھڑانے کے لیے زور لگانے لگی ۔

وہ مسکرائے ۔

چلو غصہ تھوک دو .... اندر آؤ ......

اورنگ زیب نے نازک سی سندس کو آہستہ سے جھٹکا دیا اور اندر صوفے پر بیٹھا دیا ...... خود پردے کو درست کر کے سندس کے قریب ہی بیٹھ گئے ۔

سندس ....

وہ اپنے بازو کو سندس کی پشت کی طرف سے حمائل کر کے اُسے اپنے بہت قریب لے آئے .... وہ خاموش اُن کے توانا سینے سے لپٹ گئی ۔ پرانی باتیں بھول جاؤ .... میں نے ڈرونا خواب دیکھا تھا ۔ جسے میں کافی حد تک بھول چکا ہوں ....

وہ دوسرے ہاتھوں سے اُس کے تراشیدہ بالوں کو سہلاتے ہوئے

بولے ....

محبت کی اس آنچ نے سندس کے دل کو بری طرح مضطرب کر دیا ....

...... وہ بے چین اُن کے سینے سے لگی سسک اُٹھی ....

ارے .... رو رہی ہو .... لیکن کیوں ...... سندس

.... یہ آنسو ......

اُنہوں نے اپنی ہتھیلی سے سندس کے رخساروں سے آنسو صاف کیے ۔

ارے بھئی سندس یہ آنسو ہمیں اچھے نہیں لگتے .... سنو اب ......

اُنہوں نے دونوں ہاتھوں سے سندس کا چہرا اُٹھایا ....

وہ کتنی معصوم تھی .... پیازی چہرے پر آنسو .... جیسے شبنم سویرے سویرے پھولوں کا منہ دھلا دے ....

اور وہ مسکرا دی

اچھا ...... اب مجھے معاف کر دیا نا ......

کر دیا ....

وہ ہنس دی ....

اس کے ساتھ ہی اورنگ زیب بھی ہنس دیے ....

چائے پیو گی .... ایک مدت کے بعد تو موقعہ ملا ہے ۔

وہ بڑھ کر کال بیل پر انگلی رکھ کر بولے ۔

چند لمحوں کے بعد خانساماں داخل ہوا ....

جی صاحب جی ......

خانساماں سُندس کو دیکھ کر بونچکا سا رہ گیا۔

رشید...... ہمارے مہمان کے لیے بہترین چائے بنا کر لاؤ......

وہ محبت سے سندس کو دیکھ کر بولے...... اور مسکرا کر رہ گئی۔

ابھی لیجیئے سرکار......

رشید فوراً کمرے سے بھاگ گیا۔

دھڑام سے اُس نے باورچی خانے کا دروازہ کھولا۔

ہائیں ہائیں...... کیا پٹی کے آیا ہے اللہ مارا...... دل ہی دھڑکا دیا کم بخت نے۔

نوراں سبزی چھیلتے چھیلتے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

اری نوراں کی بچی...... آج میں نے سندس بی بی کو صاحب کے کمرے میں دیکھا......

وہ آنکھیں پھاڑے بولا......

اچھا......

نوراں کا بھی منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔

چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے بولا۔

تم ٹھیک کہتے ہو...... نوراں نے کہا۔

اور وہ خاموش چائے بنا کر لے گیا۔

ایک ساتھ چائے پینے کے بعد

دونوں نے آج دیر تک باتیں کی

محبت کی...... ایک ساتھ زندگی بسر کرنے کی۔

عہد و پیماں ہوئے...... کبھی ساتھ نہ چھوڑنے کے وعدے

اور اِسی طرح کئی دن ہفتوں میں تبدیل ہو گئے...... ہفتے مہینوں بں سالوں میں اور اِس طرح دو سال بیت گئے۔ محبت عروج تک پنچ چکی تھی۔

زبیدہ بیگم اکثر اورنگ زیب کو سندس کے بارے میں کہتی تو وہ ایک ی جواب دیتے......

امی جان اُس کی تعلیم مکمل ہوے...... میں شادی کا چکر چلا ر اُسے اُس کے مشن سے نہیں ہٹانا چاہتا۔

وہ بڑے سکون سے جواب دیتے......

جب پانی سر سے گزر جائے گا تو تم مشن لے کر بیٹھ جانا...... تم یری بات نہیں سمجھتے۔ سیٹھ وقار شادی کر رہا ہے...... بلکہ اُس نے پہلے سندس کی بات پکی کرنا ہے...... اور رابعہ بیگم بھی بانکے میاں کے لیے سندس کا رشتہ مانگنے کے در پہ ہے۔

زبیدہ بیگم نے وضاحت بیان کر دی۔

اور یوں لگا جیسے اورنگ زیب کے کان کھُل گئے ہوں......

واقعی کہیں امی کی بات صحیح نہ ہو جائے۔

وہ خود سندس کے بغیر زندگی گزارنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔

تو پھر کیا کرنا چاہیئے۔

اورنگ زیب پریشان سے ہو گئے۔

کرنا کیا ہے میں خود سیٹھ وقار سے بات کروں گی...... کل جمعہ ہے۔

مجھے تم کل وہاں لے چلو.........

ٹھیک ہے۔

دوسرے دن ماں کو اپنی خوبصورت گاڑی میں بیٹھا کر کاشانہ بیدار بخت لے گئے۔

حسبِ معمول کوٹھی میں چہل پہل تھی...... اِس وقت تقریباً صبح دس کا عمل ہوگا.......

پورچ میں گاڑی کھڑی ہوئی........ وہ ماں کو سہارا دے کر باہر لائے.......... ویسے بھی زبیدہ بیگم بہت نحیف ہو چکی تھیں....

سلام صاحب......

ملازم نے مؤدب سلام کہا....... دونوں کو ڈرائنگ رُوم کی جانب لے گیا۔

سیٹھ صاحب ہیں.......

جی ہاں........ اپنے کمرے میں ہیں........ میں اطلاع کرتا ہوں۔

ملازم کمرے سے نکل گیا.......

کہ ایک دم وہ ٹھٹھکے........ نرم وگداز مرمریں ہاتھوں نے اُن کی آنکھیں بند کر لیں۔

ہوں....... بھلا میں تمہیں نہیں پہچان سکتا۔

اُنہوں نے لپشت کی جانب سے ہاتھ بڑھا کر سندس کو اپنے ساتھ لگالیا.........اور وہ زبیدہ بیگم کے سامنے شرمندہ سی کسمسا کر پرے ہو گئی...

آداب.........

ارے میری بچی سندس کیسی ہو..........

زبیدہ بیگم نے سندس کو سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔

ارے واہ......... آج تو کچھ بانٹنا چاہیے...... جو آپ آئیں ہیں۔

سیٹھ وقار بڑی خوش اخلاقی سے بولے.......... سلام دعا کے بعد وہ سامنے ہی بیٹھ گئے۔

کچھ وقت گزر جانے کے بعد ملازم مع لوازمات کے چائے لے آیا.........

چائے بناؤ..... سندس بیٹی....

سیٹھ وقار نے کہا۔

وہ چائے نے کے لیے قالین پر دوزانوں بیٹھ گئی۔

پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ غریب خانے پر تشریف کیسے لے آئیں۔
سیٹھ وقار نے کپ پکڑتے ہوئے کہا۔
میں تو بھائی تم سے مانگنے آئی ہوں .... خالی ہاتھ نہیں جاؤں گی۔
وہ اورنگ زیب اور سندس کی جانب دیکھ کر بولیں۔
سیٹھ وقار بڑے سمجھدار انسان تھے۔
سندس بیٹی اورنگ زیب کو اپنے کمرے میں لے جاؤ اور بہتر موضوع پر بحث کرو۔
اور دیکھنا کون جیتتا ہے۔
ٹھیک ہے ابو۔
اندھے کو دو آنکھیں۔
دونوں کمرے سے نکل گئے۔
سندس میں آج تمہیں لے جانے آیا ہوں .....
وہ اندر داخل ہوتے بڑی محبت سے بولے۔
ہوں .... اتنی سستی نہیں ہوں ......
سندس بڑی دلربائی سے مسکرائی۔
ارے کون کہتا ہے تم سستی ہو .... تمہاری قیمت کا اندازہ مجھے ہے ....
جو میں ادا نہیں کر سکتا۔

اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے سُندس کو بازو بڑھا کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ مضبوط بازو کے حصار میں کتنی لذت ...... سکون اور پائیداری تھی۔ وہ آنکھیں بند کیے اُن کے شانے سے لگ گئی۔
میں تو دوبارہ زندہ ہو گئی ہوں۔
بس ایسی کیفیت ہی میری ہے .... جیسے ڈوبتے ڈوبتے موج اچھال کر کنارے پر پھینک دے .... تم نے مجھے بچا لیا ہے۔
وہ سندس کے ریشمی بالوں سے کھیلتے ہوئے بولے۔
اورنگ زیب .... اب مجھے چھوڑنا نہیں۔
وہ بچگانہ معصومیت سے بولی۔
ارے پگلی .... اپنی زندگی کیسے عزیز نہیں ...... اور تم میری زندگی بن چکی ہو .... اور مجھے یقین ہے کہ میں یہ بازی جیت جاؤں گا۔
سچ
وہ چہکی
ہاں تو اور کیا .... کون کافر جھوٹ بول رہا ہے۔
اس کے ساتھ ہی وہ اُن کے کشادہ سینے سے لپٹ گئی ......
سندس کا انداز خودسپردگی اُنہیں اتنا بھایا کہ اُنہوں نے عالم محبت میں اُسے پوری طاقت سے بھینچ لیا۔

اور اُس کے ریشمی بالوں پر مہرِ محبت ثبت کر دی ...... وہ
کسمسائی ... لیکن یوں سکون سے لپٹی رہی کہ دنیا کی کوئی آفت اُس
تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

وہ بہت دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے۔ کہ ملازم نے
پیغام دیا۔

سندس بی بی سیٹھ صاحب بُلا رہے ہیں۔

آ رہے ہیں۔

دونوں ایک ساتھ اُٹھے اور ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

چلو بچو کھانے کا وقت ہو گیا۔

سیٹھ وقار بولے .... وہ بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔

زبیدہ بیگم اور سیٹھ وقار کے تاثرات بتا رہے تھے کہ معاملہ درست
ہی ہے۔

شام تک خوب گپ شپ رہی۔

اِدھر رات کے ۹ بج کر چالیس منٹ پر رالعہ بیگم نے چونک کر ملازم
رانی سے پوچھا۔

ابھی تک زبیدہ بیگم اور اورنگ زیب نہیں آئے ...... پتہ تو کرو
ذرا ...... ٹھیک ہے۔ نہ جانے اُن کے دل میں کچھ الجھی سی ہو رہی
تھی .... کہ کچھ ہونے والا ہے۔

اچھا تم جاؤ .... ذرا معلوم تو کرو ....

جی بہتر .... رانی بھاگ گئی اور خاموش غلام گردش میں زبیدہ
بیگم ..... کی باتیں سننے لگی ......

اُلٹے قدموں لوٹ آئی۔

آ گئے ہیں .... رانی نے آتے ہی کہا .... جیسے بم پھٹا
ہو۔

اچھا .... رالعہ بیگم نے ٹھنڈا سانس لیا۔

ویسے ایک بات کہوں بیگم صاحبہ

کونسی بات؟

رالعہ بیگم ایک دم بولیں جیسے اُن کے دل میں کوئی چور ہو۔

بی بی جی .... یوں لگتا ہے جیسے خالہ زبیدہ بیگم سندس کا
رشتہ لے کر آئے ہیں۔ رانی کی حس بڑی تیز تھی۔ وہ انداز سے ایسی
باتیں سمجھ لیا کرتی تھی۔ یہ تو کیا کہہ رہی ہے۔ سندس کا رشتہ وہ کس کے
لیے مانگے گی۔

رالعہ کے تصور سے بھی یہ بات بالاتر تھی۔ کہ اورنگ زیب اور سندس
آپس میں محبت کرتے ہیں۔

ارے بی بی .... کیا اُن کا بیٹا گھرو جوان نہیں ...... اورنگ
زیب .....

رانی نے زور سے کہا۔

تو تو پاگل ہے۔ اورنگ زیب اور سندس کا کیا جوڑ ...... سندس کل

کی بچی اور وہ اب کافی عمر کا ہے ....

رابعہ بیگم اب نفرت بھرے انداز میں بولیں۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتی تھیں۔

نہ یہ تو بتاؤ بی بی .... آپ نے بانکے میاں کے لیے کیوں نہ بات کی۔ رانی خود ہی رابعہ بیگم کو اصل موضوع کی طرف لے آئی۔

بات کی کیا ضرورت تھی .... میرا بھائی ہے .... جب جاؤں گی۔ بات بھی کر لوں گی۔ زبیدہ کو کون پوچھتا ہے۔

رابعہ بیگم نے کسی سوچ کے تحت کہا۔

اور دوسرے دن سویرے سویرے خوبصورت ٹوکری میں لڈو ملازم لے آیا۔

لیس بی بی جی .... صاحب کی بات ٹھہر گئی ہے سندس سے ملازم نے ٹوکری اُن کی طرف بڑھائی۔

کیا .... لے جاؤ یہ لڈو .... میں نہیں لوں گی۔

وہ جیسے پاگل ہو گئیں.......

ملازم بوکھلا سا رہ گیا۔

شفیق .... جلدی گاڑی لاؤ.........

بہت بہتر .... ڈرائیور بھاگ گیا .... اور وہ ملازم پر برس پڑیں۔ ان لڈوؤں کو زبیدہ بیگم کے پاس لے جاؤ .... اور میں وقار بھائی کے پاس جا رہی ہوں .... دیکھتی ہوں یہ رشتہ کیسے

ہوتا ہے ..... غضب خدا کا ..... حق میرے بانکے میاں کا .... سندس ہو جائے کسی اور کی ....

وہ زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھیں .... جیسے کسی پل چین نہ آ رہا ہو۔ اتنی دیر میں ڈرائیور گاڑی لے آیا تھا۔

اور چشم زدن میں رابعہ بیگم آگ بنی کاشانہ بیدار بخت پہنچ گئیں۔ گاڑی سے اُتر کر وہ بڑی برق رفتاری سے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔

ارے پھوپھو جان .... آپ .... اکیلی ....

سندس اپنے کمرے کا زینہ اترتے ہی رابعہ بیگم کی طرف بڑھی۔

بھائی کہاں ہے۔

رابعہ بیگم نے سندس کو گلے لگانے کی بجائے اپنے ہاتھوں پر ہی روک لیا۔

وہ تو اپنے کمرے میں ہیں .... آپ کی طبیعت تو

لیکن وہ زبردستی عجلت میں سیٹھ وقار کے کمرے کی طرف چل دیں۔

سندس اُنہیں جاتے دیکھتی رہ گئی۔

بھائی ....

رابعہ بیگم .... آؤ تم .... خیریت تو ہے ....

وہ بستر سے فوراً اُٹھ گئے .... زکام نزلہ سے طبیعت خراب تھی۔ اُن کی .... کوئی خیریت نہیں .... آخر تم نے کس گناہ

کی سزا دی ہے مجھے .... وہ بغیر تمہید کے بولیں۔

گناہ .... کیسی باتیں کرتی ہو ....

وہ حیران ہو گئے۔

تم نے سندس کا رشتہ اورنگ زیب سے کیوں کیا۔

وہ اور تلخ ہو گئیں۔

اوہو .... بس یہ بات تھی۔

سیٹھ وقار ہنس دیئے ....

اتنی سی بات نہیں ہے .... یہ خبر سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔

وہ چلا چلا کر بول رہی تھی۔

ارے بھائی سندس جوان تھی .... پھر لڑکا اچھا تھا .... رشتہ ہو گیا۔

وہ بڑی سادگی سے بولے۔

لیکن تم نے یہ نہ سوچا کہ سندس میرے بانکے میاں کے لیے تھی۔

وہ خفا خفا انداز اختیار کر گئیں۔

رابعہ بہن بانکے میاں کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے ...... اب اس بات کو طول نہ دیں۔

یہاں کمی کی بات نہیں .... میں سندس کو نہیں کہیں اور جانے دوں گی۔

وہ جیسے اٹل فیصلہ کرنے لگیں۔

رابعہ جذباتی انداز اختیار کر گئیں۔ سندس کا ہاتھ سے نکل جانا جیسے خزانۂ قارون کھو جانے کے مترادف ہے۔

اب کچھ نہیں ہو سکتا رابعہ ...... بھلا تم نے کبھی بانکے میاں کا ذکر کیا تھا۔ وہ بڑی نرمی سے سمجھانے لگے۔

ذکر کی اس میں کونسی بات ہے .... آپ میرے بھائی ہو ......

سندس میری بیٹی ہے ....

آپ کو سب سے پہلے میرا سوچنا چاہیے تھے .... میرے بانکے کا اب کیا بنے گا۔

رابعہ دلگیر آواز میں بولیں۔

دیکھو رابعہ .... مقدر یہی تھا .... یہ جوڑ خدا آسمان پر بناتا ہے۔

میں انشاء اللہ بانکے میاں کا بہت اچھی جگہ رشتہ کروں گا ....

سیٹھ وقار نے رابعہ بیگم کی تسلی تشفی کرنا چاہی۔

غرض کہ رابعہ دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی اور سیٹھ وقار مسکرا مسکرا کر اُن کی باتوں کا جواب دیتے رہے ....

شام ڈھلنے تک یہی سلسلہ رہا .... رابعہ بیگم خفا خفا سی سیٹھ وقار کے روکنے پر بھی نہ رُکیں۔ اور ڈرائیور کو ساتھ لیئے چل دیں۔

بہن کی آزردگی سے سیٹھ وقار کو تکلیف تو نہیں پہنچی ...... لیکن

اس میں لڑکے لڑکی کی رضامندی شامل تھی .... وہ دورِ جدید کے
پڑھے لکھے سمجھ دار باپ تھے۔ اُنہیں معلوم تھا کہ اُن کی بیٹی اورنگ زیب
کو پسند کرتی ہے۔ اورنگ زیب کو وہ ایک عرصے سے جانتے تھے۔
وہ سلجھا ہوا ذہین نوجوان تھا...... اگر اُن کی عمروں میں چند سالوں کا تضاد
ہے تو کوئی بات نہیں۔ وہ ڈرائنگ رُوم میں بیٹھے انہیں سوچوں کے
اتھاہ سمندر میں اترتے جا رہے تھے۔ کہ سندس نے اُن کو چونکا دیا۔

ابوجانی ....

جی .... جی بیٹے .....

وہ خیالات سے اُبھر کر چونکے۔

ابوجانی آپ سے مشورہ کرنا ہے۔

سندس باپ کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

کرو بیٹے .... بندہ حاضر ہے۔

وہ سب کچھ بھول کر بڑی خوش دلی سے بولے۔

سندس ہنس دی۔

ابوجانی .... کل میں جا رہی ہوں ...... آپ کی بات پکی کرنے۔

سندس نے کہا۔

ارے دیوانی لڑکی .... کیوں اِس عمر میں خراب کرنے لگی ہو ....
یہ حصہ اب میری شادی کا نہیں۔

سیٹھ وقار دلکش مسکراہٹ کے ساتھ پیشانی پر جھکے بالوں کو اُٹھا کر

بولے کچھ نہیں آپ کی عمر کو .... آپ اب بھی کئی نوجوانوں کو مات کر رہے۔

سندس نے محبّت سے باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

ابھی دونوں باپ بیٹی باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ ملازم طشتری میں آج
کی ڈاک لے آیا۔

ارے یہ بھائی خوش بخت کی (WRITING) لکھائی ہے۔

سندس نے مسّرت بھرے انداز میں سبز رنگ کے لفافے کو دیکھا .....
جو سیٹھ وقار چاک کر رہے تھے۔

لو جی .... پرسوں خوش بخت آ رہا ہے ...... ٹیلی گرام
ہے ....

اچھا ......

سندس خوشی سے اُچھلی سیٹھ وقار بھی خوش ہوئے۔

اب بھائی خوش بخت کے آنے پر ہی بات ہو گی۔

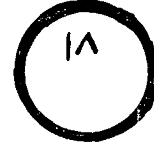
ٹھیک ہے بیٹے جو مرضی کرو .....

سیٹھ وقار نے معاملہ بچوں پر چھوڑ دیا

ٹھیک ہے ابّو .... آپ نے ہماری بات میں دخل نہیں
دینا۔

سندس نے باپ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔





بیدار بخت نے مجبوری ظاہر کر دی کہ ضروری کام کی وجہ سے میں نہیں آ سکتا ...... لہذا میں ابو جانی کے ساتھ ہوں ...... ان کی خوشی میری خوشی .... خدا اُس کو قدم قدم خوشیاں دے۔

چنانچہ بشیراں کی ساس کو ضروری پیغامات دے کر کوثر جہاں کے پاس بھیجا گیا۔

کوثر جہاں نذیراں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں۔

میں نے سوچا کہ نذیراں نہ جانے کہاں چلی گئی۔

کوثر جہاں اُسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولیں۔

ارے نہیں بی بی .... بس سیٹھ وقار نے سندس کی بات ٹھہرانی تھی .... اس لیے دیر ہو گئی۔ ورنہ وہ لوگ تو بہت بے چین ہیں۔

نذیراں نے دوپٹہ درست کیا۔

اچھا اب کیسے آئی ہو۔

کوثر جہاں نے کہا۔

بس بات پوری طرح پکی کرنے .... کس دن وہ لوگ آئیں .... جس دن مرضی آ جائیں .... ہم تیار ہیں .... اللہ نے اگر میری بیٹی کے مقدر اچھے کر دیئے ہیں تو اب دیر کیسی۔

کوثر جہاں خوشی کے آنسو بھر کر بولیں۔

تم فکر نہ کرو بی بی .... وہ لوگ تو اتنے اچھے ہیں ...... دیکھنا کتنا راج کرے گی ہماری بٹیا۔

نذیراں نے بڑے مطمئین انداز میں کہا۔

اُدھر سندس نے تمام انتظامات مکمل کر لیے۔ لیکن اُن کی مرضی تھی۔ کہ سندس کی شادی کے بعد وہ یہ بات کریں۔

لیکن خوش بخت اور سندس نے پیش نہ جانے دی۔ چنانچہ اِدھر اُدھر کی گفت و شنید کے بعد سیٹھ وقار کی شادی کی تاریخ مقرر ہو گئی۔ اور چاند کی چودہ کو سیٹھ وقار بڑی سادگی خوش دلی سے ستارا کو بیاہ کر کاشانہ بیدار بخت لے آئے۔

ستارہ خوش تھی کہ اُس کا شوہر اگر بالکل لڑکا بالا نہیں تو بوڑھا بھی نہیں .... کئی نوجوان اُس کے سامنے ہیچ تھے۔ اُس کا توانا بدن خوبصورت دلکش چہرا۔ کن پٹیوں پر سفید بال .... اُس کے باوقار

چہرے پر بہت سجتے تھے۔ وہ بلا کے مہذب اور دلنشیں نظر آتے تھے۔

ستارہ ......

سیٹھ وقار نے آہستہ سے ستارہ کا آنچل ہٹایا ......

وقار ......

وہ لازوال محبت کے ناطے سیٹھ وقار کے سینے سے لپٹ گئی۔ ایک عرصے کے بعد کسی مرد کے سینے میں اُسے سکون و عافیت کی گرمی محسوس ہوئی ...... تمام شب وہ ستارہ کو اپنے قریبِ محبت سے لپٹائے ساری زندگی خوش رکھنے کی قسمیں کھاتے رہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے ستارہ کو یہ بھی گوش گزار کر دیا۔

دیکھو ستارہ ...... میرے دونوں بیٹے برسرِ روزگار ہیں .... لیکن میری بیٹی سندس جو ابھی معصوم ہے ...... اُسے کسی قسم کا دُکھ نہ پہنچے۔ کیوں کہ یہ شادی میں نے بچوں کی مرضی سے ہی کی ہے۔ اس لیے تم بچوں کو کسی قسم کی کمی نہ محسوس ہونے دینا۔

وہ بات کرتے ہو اُداس سے ہو گئے تھے۔

میرا وعدہ ہے آپ سے میں انشاء اللہ بچوں کو بلکہ سندس کو کسی قسم کی کمی محسوس نہ ہونے دوں گی۔

زندہ باد ...... ملاؤ ہاتھ ......

ستارہ نے شرما کر لجا کر ہاتھ بڑھایا ...... جسے سیٹھ وقار نے کھینچ کر اپنے سینے سے لپٹا لیا۔

یوں ہی کئی روز گزر گئے ...... خوش بخت تمام کاموں سے فارغ
ر لندن لوٹ گیا ...... اور سندس تو ستارہ کی جان بنی ہوئی تھی۔
رہ اُس کا بہت ہی خیال رکھتی ...... بلکہ اُسے ماں کی کمی
وس نہ ہونے دی۔

شام چار کا عمل ہو گا ...... برسات کا موسم تھا۔ کالی سیاہ بدلیاں
اروں اُور سے آسمان کے سینے کو ڈھانپے ہوئے تھیں ......
ازم نے خوبصورت کرسیاں باغ میں لگا دی تھیں ...... درمیانی
ز پر معہ لوازمات کے چائے رکھی تھی ...... سیٹھ وقار اور ستارہ آمنے
امنے بیٹھے تھے ......

دونوں خوش تھے ...... ستارہ سفید کامدار ساڑھی میں ملبوس نہایت
ی جاذبِ نظر لگ رہی تھی ...... سیٹھ وقار بڑی محبت سے اُسے دیکھ
رہے تھے۔ آسمان لازوال کی نیلگوں گہرائیوں کی قسم ستارہ ......
ہمیں سوائے اُولاد کے تم سے اچھا کوئی نہیں ......

وقار میں آپ کی احسان مند ہوں ...... میں کیا تھی اور اب کیا
ہوں .... میں نہیں جانتی تھی کہ قدرت مجھے زمین کے ذرّوں سے اُٹھا
کر ستاروں پر بٹھا دے گی۔

وہ سیٹھ وقار کے نہایت احسان مند نظر آ رہی تھی۔

یہ میرا نہیں اُس باری تعالیٰ کا کمال ہے ...... جو ہمیں جلتی
آگ سے بچا لیا اور طوفان سے نکال کر ساحل پر لے آیا ہے۔

اچانک ملازم کے آجانے سے سلسلہ کلام بند ہوگیا۔

کیا بات حمید......

سیٹھ وقار بولے......

سندس اور سیٹھ اورنگ زیب تشریف لائے ہیں

اچانک وہ چونکی لیکن یہ بات اُس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ غربت میں پلنے والا نوجوان سیٹھ کیسے بن گیا۔

ہاں ہاں...... لے آؤ یہاں......... ستارہ بھی ملاقات کرے گی۔

بہتر......

ملازم چلا گیا۔

دیکھنا ستارہ........ سندس کا رشتہ میں نے کتنے نفیس شخص سے کیا ہے۔ اتنا ہی دولت مند لیکن پھر بھی غریب پرور

اسی اثنا میں اورنگ زیب کا خستہ حال ہیولہ اُس کی آنکھوں کے سامنے تھرا گیا........ وہ خود لرز گئی...... یہ اورنگ زیب۔

آؤ آؤ بیٹا........

سیٹھ وقار ایک دم کھڑے ہوگئے.......

آداب........

نظریں اُٹھا کر ستارہ نے کہا.....

تم........ ستارہ.......

اورنگ زیب ایک زبردست کراہ کے ساتھ چیخ اُٹھے......

اور ستارہ کا ہاتھ ساکن ہوگیا .... جو اُس نے سلام کے لیے اُٹھایا تھا........

سندس تذبذب کے عالم میں دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

ارے تم دونوں جانتے ہو........

سیٹھ وقار کی حیرت عروج تک پہنچ گئی۔

ستارہ نظریں چرا رہی تھی.......... اورنگ زیب کا سامنا اُس پر قیامت ڈھا رہا تھا........ اُسے کھڑے ہونا محال تھا۔ قدم جو لڑکھڑائے تو وہ ایک سسکی کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔

بہت اچھی طرح سیٹھ صاحب........ اِن کے والد میرے قریبی ملنے والوں میں سے تھے۔ اور کچھ دنوں کاروبار بھی اکٹھا تھا........ پھر معمولی رنجش کی بنا پر علیحدگی ہوگئی........ شاید اِس بات سے اِن کی طبیعت ________

اس کے ساتھ سیٹھ وقار ہنس دیے........ واہ بھئی واہ........

اتنے کمزور دل کی مالک ہو تم........

سیٹھ وقار نے ستارہ کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

لیکن اورنگ زیب اب خاموش سندس کو تکے جا رہے تھے.....

وہ زیادہ دیر بیٹھ کر ستارہ کو اور پریشان کرنا نہ چاہتے تھے۔

ہم آپ سے اجازت لینے آئے ہیں۔

سندس نے حیران ہو کر دیکھا۔

کہو.........

ذرا موسم اچھا ہے باہر ہو آئیں۔

اورنگ زیب نے کہا۔

ہاں ہاں ضرور.......

سیٹھ وقار نے سر ہلایا......

دونوں اُٹھے....

اُٹھتے ہی اورنگ زیب ستارہ کی جانب متوجہ ہوا۔

آپ اب مقدس مقام پر ہیں...... مجھے اور سندس پر لازم ہے کہ آپ کا احترام کریں......... اور انشاءاللہ ہم دونوں کا وعدہ ہے۔ کہ سیٹھ صاحب اور آپ ہمارے لیے عظیم ہستی ہی نہیں بلکہ معتبر بھی ہیں۔

آؤ سندس ———

وہ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے سندس کا بازو تھامے لان سے باہر گئے.......

اورنگ زیب......... تم اب بھی ویسے نرم دل اور حسین جذبات کے مالک ہو......... کاش ———

وہ اورنگ زیب کے نقش قدم کو دیکھتی رہ گئی....... ان کہی کراہ اُس کے ہونٹوں سے نکلی...... اور وہ گرما میں دھوپ میں رکھی موم بتی کی طرح پگھل گئی۔

پرانی باتیں بھول جاؤ ستارہ......... اورنگ زیب بہت ہی اچھا آدمی ہے......... اسی لیے میں نے سندس کے لیے اس کا انتخاب کیا ہے۔

آپ بہت خوش قسمت ہیں وقار......... جس کی بیٹی اس قدر نفیس سلجھے ہوئے انسان کی بیوی بنے۔

ہاں قدرت نے میرا بہت ساتھ دیا ہے.......

اور پھر چند دنوں کی تاخیر کے بعد سندس اور اورنگ زیب کی بڑے تزک و احتشام سے شادی ہو گئی......... شہر کے لاکھوں غریبوں مسکینوں کو کھانا کھلایا گیا۔ اورنگ زیب نے زبیدہ بیگم سے تمام رُوداد بیان کر دی تھی......... اور اُنہیں سمجھا بھی دیا تھا کہ کسی عورت کسی آدمی بلکہ خود کوثر جہاں سے کسی قسم کی عداوت نہیں رکھنی...... یوں ظاہر کرنا کہ ستارہ اور کوثر جہاں سے ہمارا کوئی واسطہ ہی نہ تھا....... ایک عورت ہونے کے ناطے زبیدہ بیگم تو بپھر گئیں۔

لو یہ کس طرح ہو سکتا ہے......... کہوں گی تا...... کر دیا اب بڈھے سے نہ نہ امی خدا کے لیے آپ کو میری قسم...... ستارہ کو اُس کے گناہوں کی سزا مل چکی ہے۔ کچھ نہ کہیے گا.......

اورنگ زیب نے واسطہ ڈالا......

اچھا...... تم کہتے ہو تو ٹھیک ہے...... ورنہ ———

نہیں امی......... آپ سمجھئے آپ اپنے بیٹے کی شادی پہلی مرتبہ کر رہی ہیں۔ سندس آپ کی بہت خدمت کرے گی۔

وہ ماں کو خوش کرنے لگے۔

وہ تو مجھے معلوم ہے....... سندس بیٹی تو میری سانس کے ساتھ سانس لیتی ہے وہ آنکھیں بند کر کے سندس کے تصور میں کھو گئیں۔ چنانچہ شادی میں کوثر جہاں اور زبیدہ بیگم کا آمنا سامنا تو ہوا .... لیکن خاموش یوں جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ تھے۔

سیٹھ وقار کوثر جہاں کو ہمیشہ کے لیے اپنے پاس ہی لے آئے تھے۔

اور اورنگ زیب سندس کے ساتھ شادی کے چند دنوں کے بعد ہی ہنی مون منانے بیدار بخت اور خوش بخت کے ساتھ لندن روانہ ہو گئے

